بلوچی زبان و ادب

(عہدِ قدیم تا دورِ جدید)

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرزاق صابرؔ

بلوچی اکیڈمی
عدالت روڈ کوئٹہ

www.balochiacademy.org

(c) All rights are reserved.
جملہ حقوق بحق بلوچی اکیڈمی محفوظ ہیں

بلوچی زبان و ادب (عہدِ قدیم تا دورِ جدید)

(تحقیق)

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرزاق صابرؔ

2023

ISBN # 978-969-680-185-6

نہاد:= /250 کلدار

بلوچی اکیڈمی نے یہ کتاب میراث پرنٹنگ پریس کراچی سے چھپوا کر شائع کی

انتساب

اپنے محترم اساتذہ کرام
اور جامعہ بلوچستان کے اپنے سینئر رفقاکار
پروفیسر میر عبداللہ جان جمالدینی، پروفیسر بہادر خان رودینی،
پروفیسر نادر قمبرانی اور پروفیسر میر عاقل خان مینگل
کے نام جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن
جن کی سرپرستی اور رفاقت سے میں نے بہت کچھ سیکھا

(صابرؔ)

فہرست

چند باتیں 1

پیش لفظ 5

باب اول 8

بلوچی زبان اور اس کا لسانی پس منظر 9

لسانی پس منظر 9

بلوچی زبان کا لسانی جغرافیہ 10

بلوچی صوتیات 11

بلوچی زبان کے لہجے dialects 15

املا اور رسم الخط 19

بلوچی حروف تہجی 21

معیاری بلوچی زبان 24

بلوچی کے چند قدیم مخطوطات (قلمی مسودے) 26

باب دوم 31

قدیم بلوچی ادب 32

بلوچی رزمیہ شاعری 32

بلوچی عشقیہ داستانیں 39
بلوچی عارفانہ شاعری 48
بلوچی لوک نثر 58
باب سوم 66
جدید بلوچی ادب 66
بلوچی ادب کا دور جدید 67
ا۔ جدید نظم 70
ب۔ جدید نثر 83
باب چہارم 108
بلوچی ادب اور ذرائع ابلاغ 109
بلوچی صحافت کا ایک مختصر جائزہ 109
بیرون بلوچستان شائع ہونے والے اخبارات ورسائل 117
چند اہم بلوچی علمی، ادبی اور اشاعتی ادارے 124
باب پنجم 131
چند نامور قدیم شعراء اور ادباء 133
بلوچی کے ادبی اکابرین 133
کتابیات (Bibliography) 161

اردو/فارسی کتب 162
بلوچی کتب 167
ENGLISH BOOKS 169
اخبارات ورسائل 172

چند باتیں

1987 میں چھٹی اہل قلم کانفرنس کے موقع پر اِسلام آباد میں جن شخصیات سے پہلی بار ملنے کا شرف حاصل ہوا اُن میں سے ایک پنجابی ادبی بورڈ پاکستان کے اس وقت کے سیکرٹری محمد آصف خان مرحوم تھے۔ پنجابی ادبی بورڈ ایک ملک گیر منصوبے کے تحت پاکستان کی تمام قومی زبانوں کے زبان و ادب کی تاریخ کو پنجابی زبان میں چھاپنے کا اِرادہ کر چکا تھا اور اِس سلسلے میں پشتو ادب اور سندھی ادب کے علاوہ گوجری ادب کی تاریخ بھی پنجابی میں کروا چکی تھی۔ تاہم اُنہیں بلوچی ادب سے متعلق ایک مربوط کتاب کی ضرورت تھی جو بلوچی زبان و ادب کو مکمل احاطہ کرتی ہو۔ اس ضمن میں انہوں نے پہلے میر شیر محمد مری اور بعد میں جناب آغا نصیر خان احمد زئی اور عبداللہ جان جمالدینی سے مطلوبہ کتاب لکھنے کا کہہ چکے تھے۔ مگر آغا صاحب کی تاریخی تحقیقی اور پروفیسر جمالدینی صاحب کی تدریسی مصروفیات کی وجہ سے اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ کُل پاکستان اہل قلم کانفرنس کی اس تقریب میں بھی میری موجودگی میں جناب آصف خان صاحب جمالدینی صاحب کو ایک بار پھر یاد دہانی کرا رہے تھے کہ اس دوران جناب جمالدینی صاحب نے میرا نام اس کتاب پیش کیا اور میں نے بھی حامی بھر لی۔

کسی بھی زبان کی لسانی اور ادبی تاریخ مرتب کرنا نہایت مشکل کام ہوتا ہے اور پھر ایسی زبان کی جس کی اب تک (۱۹۸۷ تک) لسانی اور ادبی تاریخ پر کوئی خاطر خواہ کام نہ ہوا ہو اور مشکل ہو جاتی ہے۔ تاہم میں نے مصمم ارادہ کیا کہ اپنے اُستاد محترم پروفیسر عبداللہ جان جمالدینی کے اِس حکم کی ضرور تعمیل کرونگا۔ اِس

روز سے میں نے اس موضوع پر کام کا آغاز کیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد (۱۹۹۰) میں میرا پی ایچ ڈی میں داخلہ ہوا تو یہ کام بھی ادھورا رہ گیا۔ اور میں نے اپنی تمام تر توجہ اپنے تحقیقی مقالہ کی طرف دیا۔ جو بعد ازاں بفضل تعالیٰ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا اور مقالہ یونیورسٹی کو پیش کر کے ذہنی طور پر فراغت پا کر ایک بار پھر اس کتاب کی طرف متوجہ ہوا۔ اور یوں یہ کتاب بھی پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اور میں تاخیر سے سہی مگر جناب محمد آصف خان اور اپنے اُستاد محترم پروفیسر عبداللہ جان جمالدینی کے سامنے سرخرو ہو گیا اور اس مواد کو پنجابی میں ترجمہ کر کے پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے "بلوچی ادب" کے نام سے ۱۹۹۶ میں شائع کیا۔

میں اپنی اِس تحقیق کو اِس موضوع پر کوئی مکمل اور مستند شئے تو نہیں سمجھتا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ بلوچی زبان و ادب کے موضوع پر لکھے گئے گذشتہ چند کتب سے یکسر مختلف اور مکمل حوالوں سے مزین کر کے مرتب کیا گیا ہے۔ پھر بھی اس کتاب میں جو بھی کمی بیشی نظر آئے اس کا براہ راست میں خود جواب دہ ہوں اور اِسے میری اپنی کوتاہی اور بلوچی زبان و ادب سے لاعلمی سمجھی جائے۔

چونکہ یہ مسودہ آج سے قریبا تیس سال پہلے لکھی گئی مواد پر مشتمل ہے اس لیے اس میں مزید کئی ترامیم اور اضافہ کی ضرورت تھی۔ میں تو اسے بغیر کسی ترمیم کے من و عن شائع کرنا چاہ رہا تھا لیکن سینئر دوستوں واجہ جان محمد دشتی، اور بلوچی اکیڈمی کے اس وقت کے چیئرمین جناب ممتاز یوسف اور موجودہ چیئرمین جناب رفیق سنگت کے علاوہ تربت یونیورسٹی کے ڈاکٹر طاہر حکیم، ڈاکٹر غفور شاد، صادق صبا اور دیگر دوستوں کے مشورے سے اس میں ضروری ترامیم اور اضافے کر دیے گئے ہیں اور ان اضافوں کے لیے زیادہ تر مواد اپنی ذاتی کتب خانہ کے علاوہ حال ہی میں چھپنے والی چند کتابیں جن میں مجاہد بلوچ کی کتاب ''کتاب گنج'' عرفان

جمالدینی کی کتاب ''کتاب شون'' اور شرف شاد کی کتاب '' لبزانک ، در کسّی لبزانک وشعر''نامی کتب سے بھی استعفادہ کیا گیاہے۔ ان کے علاوہ IBLC تربت یونیورسٹی کے اساتذہ جناب صادق صبا اور ڈاکٹر طاہر حکیم کی جانب سے مہیا کردہ نیا مواد بھی شامل ہے۔ چونکہ کسی بھی زبان کی ادبی تاریخ پر کام ایک جہد مسلسل ہے جس میں ہر وقت نئی کتابوں کی اشاعت کے ساتھ اضافہ ہوتا رہتاہے تاہم میں نے کوشش کی ہے کہ جدید ادب پر بات کرتے ہوئے اس وقت تک کی جدید شائع شدہ مواد سے بھی استعفادہ کیا جائے تاہم اس ضمن میں اگر کسی کتاب، مصنف یا مواد کا ذکر نہ ہو تو اسے میری ذاتی لاعلمی خیال کیا جائے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس مسودے کا پہلا باب جو بلوچی زبان کے حوالے سے ہے جس میں کچھ مواد میرا تحقیقی مقالہ جواب "براہوئی اور بلوچی کے لسانی روابط" کے عنوان سے حال ہی میں کتابی صورت میں چھپ چکا ہے اس کتاب کے باب اول اور اس شائع شدہ کتاب کے مواد میں اگر کہیں کچھ مشترک نظر آئے تو اسے نظر انداز کیا جائے۔

میں آخر میں ایک بار پھر پنجابی ادبی بورڈ پاکستان کے اس وقت کے چیئرمین جناب سجاد حیدر اور سیکرٹری محمد آصف خان مرحوم کا ممنون ہوں اللہ پاک انہیں غریق رحمت کرے جنہوں نے آخر وقت تک مجھ پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا اور میری طرف سے طویل عرصہ تک رابطہ نہ رکھنے کے باوجود منصوبے کو بدستور جاری رکھا۔ اور بالآخر اس کتاب کا کچھ مواد ۱۹۹۲ میں پنجابی زبان میں ترجمہ ہو کر ''بلوچی ادب'' کے نام سے شائع ہو گیا تاہم اس کا اصل مسودہ جو اردو میں تھا میرے پاس محفوظ رہا اور منتظر اشاعت رہا۔ میں اپنے دیرینہ بزرگ دوست محترم گل بنگلزئی کا ممنون ہوں کہ اس کتاب کی تدوین کے دوران ان کی طرف سے بارہا

یادہانی نے مجھے نیاہمت اور حوصلہ دیا۔ میرے اس وقت کے سینئر رفقاکار پروفیسر نادر قمبرانی، پروفیسر بہادر خان رودینی، آغانصیر خان احمد زئی، میر عاقل خان مینگل کے علاوہ واجہ ایوب بلوچ، واجہ صباء دشتیاری مرحوم، محترمہ زینت ثناء صاحبہ اورڈاکٹر عبدالصبور بلوچ کا ممنون ہوں کہ انہوں نے ہر طرح سے میری مدد اور ہمت افزئی کی۔ میں ادارہ تحقیق و تذکرہ، تاریخ پاکستان رحیم یار خان کے سیکریٹری جنرل اور اپنے دیرینہ دوست اور ادارہ تذکرہ تاریخ پاکستان کے روح روان رانا پرویز الحسن صادق صاحب کا بھی مشکور ہوں کہ اس کتاب کی تیاری میں انہوں نے خاصی دلچسپی لی اور مسلسل اس دیرینہ مسودے کو چھاپنے کا کہتے رہے۔

تیس سال کے بعد آج ایک بار پھراس منتظر اشاعت اردو مسودے کے منتشر مواد کوازسرنوترتیب دیکر کمپوز کرنے، فارمیٹ کرنے اور مکمل کتابی شکل دینے کے لیے میں انسٹیٹیوٹ آف بلوچی لینگوئج اینڈ کلچر یونیورسٹی آف تربت کے استاد جناب صادق صبا اور ڈاکٹر طاہر حکیم کا انتہائی ممنون ہوں کہ ان کی مدد کے بغیر ان بکھرے اور منتشر صفحات کا کتابی صورت میں ایک بار پھر شائع ہونا ناممکن تھا۔ تیکنیکی معاونت کے لیے اپنے بیٹے اور جامعہ بلوچستان کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر وحید رزاق کا بھی شکریہ ادا کرناضروری سمجھتاہوں، اس کے علاوہ بلوچی اکیڈمی کے صدر اور دیگر تمام دوستوں کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس دیرینہ مسودے کو چھاپنے کی منظوری دی جس کے لیے میں ان سب کا مشکور ہوں۔ امید ہے میری یہ چھوٹی سی کاوش بلوچی زبان دانوں اور ادبی حلقوں میں پزیرائی حاصل کرے گی۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرزاق عبدالصمد صابر
وائس چانسلر یونیورسٹی آف گوادر (مکران)

گوادر۔ جنوری 2023

پیش لفظ

پنجابی ادبی بورڈ لاہور کے صدر جناب انور سجاد صاحب اور جنرل سیکریٹری جناب آصف خان صاحب کی دیرینہ خواہش تھی کہ بلوچی زبان و ادب کی مختصر تاریخ کا اردو سے پنجابی میں ترجمہ کیا جائے تا کہ وہ اسے شائع کر سکیں۔ تقریباً بیس سال سے وہ اس کوشش میں لگے رہے ہیں کہ بلوچی زبان و ادب کی تاریخ کا ترجمہ اردو میں ہو، تا کہ اسے وہ پنجابی میں منتقل کر کے شائع کر دیں۔ سب سے پہلے انہوں نے بلوچی کے نامور دانشور و ادیب میر شیر محمد مری سے رجوع کیا تھا یہ 1978 کی بات تھی جب میر شیر محمد مری نے مجھے اپنے پاس بلا کر آصف خان صاحب کا خط دکھایا تھا جو ان کے نام تھا اور اسے درخواست کی تھی کہ کس طرح ان کی (شیر محمد صاحب) کی کتابچہ " بلوچی زبان وادبءِ تاریخ" کا اردو ترجمہ کیا جائے تا کہ وہ اسے پنجابی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کر دیں۔ میر شیر محمد مری نے اِس کام کے لئے مجھے کہا جو میں نہ کر سکا۔ مصروفیات کی وجہ سے پھر آغا نصیر خان صاحب کو اس کے لئے کہا گیا۔

بالآخر بلوچی اکیڈمی نے شیر محمد مری صاحب کی کتاب کے لئے محترم آغا نصیر خان صاحب اور محترم پیر محمد زبیرانی کے سپرد یہ کام کیا۔ جو انہوں نے سرانجام دیا جسے بلوچی اکیڈمی نے شائع کیا۔ مگر یہ کتابچہ بلوچی زبان وادب کی مختصر تاریخ تو نہ تھی، البتہ ایک کوشش تھی۔ مگر پنجابی ادبی بورڈ نے اپنی کوشش جاری رکھی۔

بالآخر یہ کام پروفیسر عبدالرزاق صابر نے بہ خوبی سر انجام دیا ہے۔ یہ جناب آصف خان کی نیک تمناؤں کا نتیجہ ہے۔ آصف خان صاحب اور انکے ادبی بورڈ نے ایک قومی منصوبہ بنایا ہے جس کا مقصد پاکستانی زبانوں اور ادب کا مختصر تاریخ پنجابی زبان میں شائع کروا دیں۔ اس طرح اردو کے توسط سے یہ کام ممکن ہے کیونکہ اردو ہی پاکستان میں رابطے کی زبان ہے۔ اس طرح پاکستانی ادیبوں اور پاکستانی زبانوں کے طلبا کی ایک اہم ضرورت پورا ہو سکے گی اور طلبا اپنے ملک کی مختلف زبانوں کے ادب اور زبانوں سے باخبر ہو سکتے ہیں اور قومی یکجہتی کی کوششوں میں اضافہ ہو سکے گا۔

" بلوچی زبان و ادب کی مختصر تاریخ" اردو میں تحریر کر کے جناب پروفیسر عبدالرزاق صابر صاحب نے نہ صرف پنجابی ادبی بورڈ کا ایک دیرینہ آرزو پورا کیا ہے بلکہ خود بلوچی زبان و ادب کی ایک بہت بڑی خدمت کی ہے۔ بلوچی زبان کی تاریخ ادب کے ضمن میں میرے نزدیک یہ ایک نہایت ہی احسن کام ہے۔ جسے صابر صاحب ہی انجام دے سکتے تھے۔ یہ کتاب ہر لحاظ سے مکمل اور جامع کوشش ہے۔ اس میں زبان کے علاوہ اجمالاً لوگوں اور سرزمین کی مختصر تاریخ ہے، جغرافیہ ہے، بلوچی لسانیات، گرائمر اور لوادب کے بارے میں قاری کو وافر معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ حتی الوسع پروفیسر صابر صاحب نے بلوچی زبان کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ پروفیسر صابر صاحب کا بلوچی زبان کے بارے میں نہایت ہی گہرا مطالعہ ہے اور انہوں نے بلوچی زبان کے مطالعہ کرنے والوں اور طلبا کی بھی ایک بہت بڑی ضرورت پوری کر دی ہے۔

امید ہے اس کتاب کو مطالعہ پاکستان اور بلوچی زبان و ادب کے نصابیات میں بھی شامل کیا جائیگا۔ پروفیسر عبدالرزاق صابر صاحب کی یہ علمی کاوش قابل تحسین ہے۔

پروفیسر عبداللہ جان جمالدینی
بلوچستان یونیورسٹی . کوئٹہ
نومبر 1994

باب اول

بلوچی زبان اور اس کا لسانی پس منظر

ا: لسانی پس منظر

ب: لسانی جغرافیہ

ج: بلوچی صوتیات

د: لہجے

ر: رسم الخط

س: حروف تہجی

ص: معیاری زبان

ط: قدیم مخطوطات

بلوچی زبان اور اس کا لسانی پس منظر

لسانی پس منظر

بلوچی زبان کے لسانی پس منظر کے بارے میں ماہرین لسانیات کے مختلف آراء ہیں۔ گریئرسن کے حوالے سے ڈاکٹر محی الدین زور بلوچی زبان کو ہند آریائی گروہ میں قدیم فارسی کے بعد فارسی یا ایرانی کی جنوب مشرقی شاخ قرار دیتے ہیں جبکہ 1977ء میں میجر موکلر کا خیال تھا کہ " بلوچی آریائی زبان کی ایک شاخ ہے اور پہلوی کی بہن معلوم ہوتی ہے ایک ایسی شاخ جو یقیناً پہلوی کی طرح اور اس کے دوش بدوش قدیم فارسی سے نکلی ہوئی ہے اور مکران میں پھلی پھولی اور پروان چڑھی ہے "[1]۔

معروف ماہر لسانیات الفن بائن جدید لسانی تحقیقات کی رو سے بلوچی زبان کو جنوب مغربی ایرانی شاخ سے متعلق قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

Balochi is all essential respects a North West Iranian Language whose Middle Iranian ancestor was much closer to Parthian it was to Middle Persia.[2]

بلوچی زبان کے لسانی پس منظر اور لسانی تعلق کے ضمن میں خود بلوچ محققین بھی اس بات سے متفق ہیں کہ بلوچی ایرانی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ پروفیسر عبداللہ جان جمالدینی کہتے ہیں۔

" زبانوں کا ایک بڑا خاندارن آریائی زبانوں کا ہے ۔ہند ایرانی زبانیں آریائی خاندان ہی کی ایک شاخ ہیں اور بلوچی کا تعلق زبانوں کے ہند ایرانی خاندان سے ہے اور جو اس خاندان کی زبانوں میں کردی سے زیادہ قریب ہے "۔ (3)

ماہر لسانیات میر عاقل خان مینگل لکھتے ہیں۔

"The Balochi Language an Indo- Europeon Language of Iranian branch has been Classified as one of the Language of the Median band" (4)

بلوچی زبان کا لسانی جغرافیہ

یوں تو برصغیر پاک و ہند وہ خطہ ہے جسے لسانی اعتبار سے زبانوں کی کھٹالی کا نام دیا جاتا ہے ۔ جہاں دنیا کی مختلف نسلوں کی زبانیں پائی جاتی ہیں۔ اس طرح اگر بلوچی زبان کے لسانی احاطے پر نظر ڈالی جائے تو بلوچی زبان بھی اردگرد سے مختلف زبانوں میں گھری ہوئی ہے ۔ جن کی تفصیل بلوچی اور فارسی کے مماثلت پر ڈاکٹریٹ کرنے والی شخصیت ڈاکٹر نور احمد رئیسانی اپنے فارسی تحقیقی مقالہ بعنوان " بلوچی زبان و ادب ہم بستگی آں بہ زبان و ادبیات فارسی " (5) میں اس طرح دیتے ہیں جس کا لب و لباب کچھ یوں بنتا ہے کہ " مشرق سے مغرب کی طرف یہ زبان مغربی سندھ و پنجاب سے لیکر کرمان ایران کے بیابانوں تک نظر آتی ہے ۔ اسی طرح بلوچ قبائل شمال میں (سابق) سویت یونین کے علاقے مرو میں بھی پائے جاتے ہیں۔ وہاں سے جنوب کی طرف سیستان اور افغانستان سے کراچی تک یہ زبان بولی جاتی ہے اور پھر وہاں سے مغرب کی جانب ساحل مکران کے ساتھ ساتھ بندر جاسک اور ساحل خلیج عمان تک بولی جاتی ہے ۔ حقیقتاً عمان

میں بلوچ کافی تعداد میں آباد ہیں۔ اِسی طرح بلوچ عرب امارات کے جنوبی علاقوں اور افریقہ کی مشرقی ساحلوں پر آباد ہیں۔ مشرق میں بلوچی زبان ہندآریائی زبانوں مثلاً پنجابی اور سندھی سے ملحق ہے۔ شمال میں پشتو زبان سے اس کی ہمسایہ داری ہے۔ اسی طرح ترکمانی سے ایران کے اندر باشگرد کی پہاڑیوں تک فارسی زبان سے نزدیک ہوتی ہے۔ پاکستان کے اندر بلوچی زبان کو ایک شمالی دراوڑی زبان براہوئی جس کا ہند آریائی زبانوں سے کوئی تعلق نہیں درمیان سے تقسیم کرتی ہے۔ اور براہوئی بولنے والے غیر منظم انداز میں کوئٹہ سے لس بیلہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر چند کہ براہوئی ایک دراوڑی زبان ہے مگر فرہنگ و لغات کے اعتبار سے بلوچی و ہند آریائی زبانوں سے مخلوط ہے۔ جبکہ اکثر براہوئی بلوچی زبان بھی اپنی زبان کی طرح روانی سے بولتے ہیں۔(5a)

بلوچی صوتیات

زبان قدرت کا سب سے بڑا عطیہ ہے قدرت نے یوں تو انسان کو یہ قوت عطا کی ہے کہ اپنے صوتی عضو Organs of speech کی مدد اور ان کی حرکت و سکنات سے سینکڑوں آوازیں نکال سکتا ہے۔ اس طرح ہر زبان میں آوازوں کی ایک مخصوص تعداد ہوتی ہے جو اس زبان کو بولنے والے کام میں لاتے ہیں۔ ہر زبان میں مصمتے (Consonants) اور مصوتے یعنی (Vowels) کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ ایک ہی نظام لسان میں آوازوں کی اتنی کثرت ہوتی ہے کہ اس کا عملی طور پر صوتیاتی تجزیہ مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تشابہ

آوازوں کی پڑتال کر کے انہیں بنیادی اور ذیلی آوازوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (6)۔

بلوچی زبان کے لیے عام طور پر جو مصمتے (Consonants) استعمال ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱:۔ بند شی آوازیں پ۔ب۔ت۔ٹ۔د۔ڈ۔ڑ۔ک۔گ
۲:۔ تالوئی آوازیں ج۔چ
۳:۔ غنائیہ / انفی آوازیں ن۔م
۴:۔ مصیتی صفیری آوازیں ف۔س۔ز۔ح۔غ۔ھ
۵:۔ غیر مصیتی صغیری ش۔ژ
۶:۔ نیم مصوتے و۔ی

اس بات پر اکثر ماہرین لسانیات متفق ہیں کہ عربی، فارسی اور دیگر ہمسایہ زبانوں میں مستعمل ف اور غ بلوچی روایتی صوتیوں کا حصہ نہیں ہیں بلکہ یہ سندھی اور سرائیکی کے اثر نفوذ کی وجہ سے بلوچی کے مشرقی پہاڑی لہجے میں مستعمل ہیں۔ اسی طرح پلٹے دار معکوسی آوازیں یعنی /ٹ/ڈ/ اور /ڑ/ بھی ہند ایرانی زبانوں کے بنیادی صوتی نظام میں شامل نہیں ہیں بلکہ یہ آوازیں بلوچی زبان میں اس کی قریبی ہمسایہ زبان براہوئی اور دیگر ہند آریائی زبانوں کے اثر نفوذ کی وجہ سے اس کے صوتی نظام کا حصہ بن چکی ہیں۔

ان کے علاوہ بلوچی زبان میں عربی کے دخیل مصمتے یعنی ث۔ذ۔ص۔ ض۔ط۔ظ۔ع اور ق بالترتیب س۔ز۔ا/ھ۔ اور ک سے ادا ہوتے ہیں تاہم وہ

لوگ جنہوں نے عربی تعلیم حاصل کی ہو ان اصوات کو کسی مشکل کے بغیر ادا کر سکتے ہیں۔

بلوچی زبان میں ہائیہ یا منفوس معمتے (Aspirated Consonants) جو بلوچی زبان کے مشرقی لہجہ کے ماسوا باقی لہجوں میں پائے جاتے ہیں۔ ہائیہ آوازیں بنیادی طور پر ہند آریائی زبانوں میں مستعمل ہیں جو ہند آریائی زبانوں میں نہیں پائی جاتی ہیں لہٰذا یہ آوازیں بلوچی کے مشرقی لہجے میں اس کی ہمسایہ ہند آریائی زبانوں جن میں اردو، سندھی اور سرائیکی شامل ہیں کی وجہ سے مروج ہوئی ہیں۔ بلوچی زبان میں ہائیہ یا منفوس مصمتوں یعنی بھ۔ پھ۔ تھ۔ ڈھ۔ کھ وغیرہ کی صوتی حیثیت پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ بلوچی کے نامور ماہر لسانیات سید ظہور شاہ ہاشمی ان صوتیوں کی بھر پور مخالفت کرتے ہیں [7]۔ جبکہ بلوچی صور تخطی (Orthography) پر ڈاکٹریٹ کرنے والی غیر ملکی خاتون ڈاکٹر کارینہ جہانی (سویڈن) تجویز کرتی ہیں کہ بلوچی زبان میں مزید بارہ صوتیے پھ /p/ تھ /t/ ٹھ /t/ چھ /c/ کھ /k/ بھ /b/ دھ /d/ ڈھ /d/ جھ /j/ گھ /g/ وہ /w/ اور ن /n/ کو مشرقی بلوچی کے لیے صوتیوں کے طور پر establish کیا جانا چاہیے [8]۔

مصوتےVowels:

مصوتے جنہیں انگریزی میں vowels کہا جاتا ہے کسی بھی زبان میں مستعمل وہ آوازیں ہیں جنہیں ادا کرتے ہوئے سانس کو نہیں روکا جاتا۔ اکثر ماہرین لسانیات بلوچی زبان کے تین مختصر اور پانچ طویل مصوتے(Vowels) بتاتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

مختصر مصوتے:۔ َ (a) ُ (u) ِ (i)

طویل مصوتے: ِ ی (ee) ُو (u) آ (a) اِے (e) او (o)

ان مصوتوں کے علاوہ بلوچی زبان کے دو ڈفتانگ (Dipthongs) یہ ہیں۔

ا:۔ او (aw) جوْز۔ کہور۔ کہوْل۔ ڈوْل وغیرہ

۲:۔ ائے (ei) میئل۔ شیئر۔ کئے۔ وھیل۔ وغیرہ

بلوچی زبان کے لہجے dialects

دنیا میں اکثر زبانوں کے ایک سے زائد لہجے ہوتے ہیں۔ اسی طرح بلوچی زبان بھی ایک سے زائد لہجوں کی زبان ہے۔مشور ماہر لسانیات Wilhemlm Geiger پہلا شخص ہے جس نے بلوچی زبان کو دو نمایاں لہجوں جنوبی بلوچی اور شمالی بلوچی (یا مغربی) میں تقسیم کیا ہے۔ جس نے شُمالی بلوچی کی مزید دو لہجوں مغربی اور مشرقی میں اور جنوبی بلوچی کو جنوبی اور شمالی میں تقسیم کیا ہے[9]۔

جبکہ اس کے بر خلاف جوزف الفن بائن اپنی مختصر تصنیف The Balochi Language Dilectology with Text میں بلوچی زبان کو مندرجہ ذیل چھ نمایاں لہجوں میں تقسیم کرتا ہے[10]

۱:۔ مشرقی پہاڑی لہجہ:۔

جنوب مشرقی بلوچستان میں علاقہ سبی، ڈیرہ بگٹی، کوہلو، ڈیرہ غازی خان، کوہ سلیمان اور پورے جنوبی سندھ پر مشتمل علاقوں میں بولی جاتی ہے۔

۲:۔ رخشانی لہجہ:۔(بشمول قلاتی، چاغی، خارانی، افغانی، سرحدی اور پنجگوری) وسیع علاقے میں مشتمل ہے جس میں روسی ترکمنستان سے لیکر کابل تک اور جنوب میں کراچی تک کا علاقہ شامل ہے۔

۳:۔ سراوانی لہجہ:۔

یہ جنوبی ایرانی بلوچستان کا لہجہ ہے۔

۴:۔ لوٹونی لہجہ:۔

یہ لہجہ مغربی ایرانی بلوچستان کا ہے۔

۵:۔ کیچی لہجہ:۔

وادی کیچ جس میں پاکستانی مکران کا مغربی علاقہ شامل ہے کیچی لہجہ کہلاتا ہے۔

۶:۔ ساحلی لہجہ:۔

ایرانی اور پاکستانی بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں مشتمل ہے۔

بلوچی لہجوں سے متعلق ایک نامور دانشور جناب جان محمد دشتی لکھتے ہیں کہ

"People living in Irani Balochistan and Western parts of the Makuran have their dialectical variation generally referred to in as western dialect.The Balochi spoken in Marri Bugti Agency، upper Sind and the Punjab is known as Eastern dialect, while people in Centeral Balochistan including parts of Afghanistan speak Raxsani(Rakshani) dialect[11].

جبکہ بعض محققین بلوچی کو دو لہجوں کی زبان قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح مشرقی علاقوں میں بلوچوں کی آمد پندرھویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے۔ اس طرح مشرقی بولی کا تشکیلی عہد بھی اسی صدی عیسوی کو قرار دیا جاسکتا ہے اور یوں بلوچی زبان جغرافیائی اور لسانی اعتبار سے دو اہم بولیوں مشرقی بولی اور مغربی بولی میں منقسم ہوتی ہے[12]۔

تاہم وثوق سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جدید تحقیق اور اس سے قبل کی رپورٹیں اور خود بلوچی زبان کے مختلف لہجے اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ بلوچی

زبان ایک سے زائد لہجوں اور بولیوں کی زبان ہے۔ تاہم ان لہجوں اور بولیوں میں اس قدر فرق اور تفاوت بھی نہیں کہ ایک علاقے کی زبان دوسرے علاقے میں رہنے والے نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہی ان لہجوں اور بولیوں میں ایک دوسرے سے اس قدر دوری ہے کہ ایک خطہ کے لوگ دوسرے خطے کی زبان سمجھنے سے قاصر ہوں جیسا کہ مارگنسٹائن کا خیال ہے۔

On the whole the dialectical variations with in the two main groups of Bal (Balochi) are not of very great importance and even the difference between eastern and western Bal (Balochi) is not so considerable as that which exists between some dialects of Pashto [13]

معروف دانشور اور ادیب سید ظہور شاہ ہاشمی بلوچی زبان کو دو بولیوں یعنی مشرقی اور مغربی میں تقسیم کرنے کے عمل کے خلاف ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ "جب ہم بلوچی زبان پر کچھ لکھنے بیٹھ جاتے ہیں تو ہم کو سیاسی حد بندیاں تک نہیں روک سکتیں اور ہر حالت میں ہم پاکستانی بلوچستان اور ایرانی بلوچستان دونوں کو سامنے رکھ کر زبان کے بارے میں قلم اٹھاتے ہیں اس لحاظ سے سب سے بڑا بلنڈر یہ ہوتا ہے کہ کوئٹہ ڈویژن (بشمول موجودہ سبی، نصیر آباد، ژوب ڈویژن) کا حصہ مری بگٹی علاقے کے لہجے کو مشرقی بلوچی کہہ کر پھر سارے قلات ڈویژن (موجودہ قلات، مکران اور رخشان ڈویژن) اور پورے ایرانی بلوچستان کو ملا کر ان کو مغربی بولی کا نام دے کر زبان کو دو بولیوں میں تقسیم کر کے نہایت بھونڈے طریقے سے حد بندی کرتے ہیں جو کہ ہر لحاظ سے غلط ہے" [14]۔ لہذا دنیا کی دیگر ترقی یافتہ

زبانوں کی طرح بلوچی زبان بھی ایک سے زائد لہجوں کی زبان ہے۔ تاہم اس کی لہجاتی تقسیم یاdialectology پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

بلوچی زبان کے بارے میں یہ ایک حقیقت ہے کہ مختلف لہجے بولنے کے باوجود ایک علاقے کا شخص آسانی سے دوسرے علاقے والے کی بات کو سمجھ لیتا ہے اور عبدالرحمان بارکر، میر عاقل مینگل کے کہنے کے مطابق اگر ایرانی بلوچستان سے ایک ناخواندہ خانہ بدوش وسطی مری کے علاقے میں آتا ہے تو شروع میں اُسے کچھ مشکل ضرور پیش آتی ہے لیکن وہ بہت جلد اس مقامی لب ولہجہ، گرائمر اور ذخیرہ الفاظ کو باسانی سمجھ لیتا ہے۔ (15)

بلوچی ایک وسیع اور زندہ زبان ہے جس میں لہجوں کا اختلاف افہام وتفہیم یا ابلاغ وغیرہ میں کبھی رکاوٹ نہیں بنتا۔ تاہم یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ زبانوں میں لہجوں کا اختلاف صرف بلوچی زبان کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ دنیا میں ہر ترقی پذیر، ترقی یافتہ اور وسیع زبان کا مسئلہ ہوتا ہے۔ تاہم ترقی یافتہ زبانوں کے ماہرین نے اصول وضع کر کے اپنے زبانوں کے لہجوں میں سے ایک کو معیاری قرار دیا ہے جبکہ بلوچی اب تک ابتدائی مراحل سے گزر رہی ہے تاہم یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ بلوچی کا کیچی لہجہ تمام ادیبوں کے ہاں یکساں قبولیت کی وجہ سے معیاری لہجہ بنتا جارہا ہے اور بہت حد تک بن بھی چکا ہے۔ تاہم کچھ ماہرین لسانیات رخشانی لہجہ کو معیاری لہجہ بنانے اور کچھ کولوائی لہجے کے بھی حق میں ہیں۔

املا اور رسم الخط

پاکستان میں بولی جانے والی تمام زبانیں بشمول بلوچی ، اردو رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں۔ بلوچی زبان میں رسم الخط کا مسئلہ ہمیشہ سے درپیش رہا ہے ابتداء میں بلوچی زبان عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ تاہم ان آوازوں جن کے لیے عربی میں حروف متعین نہیں تھے مختلف اوقات میں علماء نے مختلف نئے حروف بھی وضع کیے ہیں۔ تاہم بلوچی رسم الخط کے بارے میں سید ہاشمی لکھتے ہیں کہ "اسلام سے پہلے اگر بلوچی زبان کسی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی وہ وہی رسم الخط ہو گا جس میں ایران کی دوسری زبانیں لکھی جاتی رہی ہوں گی۔ مگر اسلام کی آمد کے بعد ایران کی تمام زبانوں کا رسم الخط عربی ہو گیا۔ کیونکہ عرب جہاں بھی گئے وہاں کے مقامی رسم الخط کو سیلاب کی طرح بہا کر عربی کو ان کے پلے باندھ دیا۔ (16) اس کے علاوہ سید ہاشمی کی رائے یہ بھی ہے کہ ایران کے بادشاہوں جن کا تعلق ہخا منشی خاندان سے رہا ہے ان کی اپنی خاندانی اور درباری زبان بلوچی ہی تھی لیکن ہمارے ہاں ان (نبشتوں) تحریروں اور کُتبوں کے سوا کوئی چیز اثبات کے لیے موجود نہیں (17)۔

بلوچی زبان کے قدیم مخطوطات میں عربی زبان کے رسم الخط کو استعمال کیا گیا ہے اور جن آوازوں کے لئے حروف عربی میں دستیاب نہیں ہوئے ہیں ان کے لیے نئے حروف وضع کیے گئے ہیں ۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے انگریز مستشرقین نے بلوچی کو رومن رسم الخط میں لکھا ہے۔ خاص طور پر بائبل کے بلوچی تراجم رومن اسکرپٹ میں ہوئے ہیں۔ عربی رسم الخط میں سب سے زیادہ کتابیں

مکتبہ درخانی ڈھاڈر کے زیر اہتمام شائع ہوئیں جن میں 1906 میں قرآن مجید کا بلوچی زبان میں ترجمہ جو مولانا حضور بخش جتوئی نے کیا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا حضور بخش جتوئی، مولانا محمد ہاشم بلوچ اور بعد ازاں مولانا عبدالباقی درخانی اور مولانا عبدالغفور درخانی نے متعدد اسلامی درسی کتب کے بلوچی تراجم عربی رسم الخط میں شائع کرائے۔ بلوچی رسم الخط کے لیے عربی اسکرپٹ کو اختیار کرنے کے بارے میں ایک محقق جناب عبدالرحمٰن غور لکھتے ہیں۔

" بلوچی زبان کو ایک رسم الخط دینے کا سہرا جناب مولانا محمد فاضل درخانی اور ان کے بعد مولانا حضور بخش جتوئی کے سر ہے۔ یہ رسم الخط نہایت مقبول ہوا لیکن بعد میں حالات کے تقاضوں کے مطابق بلوچی زبان کے ادباء اور شعراء نے اردو رسم الخط کو اپنایا"[18]۔

متذکرہ بالا حوالہ میں عبدالرحمٰن غور نے ایک رسم الخط سے مراد عربی رسم الخط لیا ہے کیونکہ عربی رسم الخط جس میں ہندوستانی آوازوں یعنی ٹ، ڈ اور ڑ کے لیے بالترتیب پشتو کے طرز پر (ټ) اور (ړ) کے حروف متعین کیے گئے تھے۔ یکم ستمبر 1972ء کو اس وقت کے نیشنل عوامی پارٹی (NAP) کے سرگرم رہنما اور صوبائی وزیر تعلیم میر گُل خان نصیر نے کوئٹہ میں بلوچ دانشوروں کی ایک میٹنگ طلب کی جس میں بلوچی زبان کے لیے رسم الخط کے مسئلے پر بحث و مباحثہ ہوا۔ اس میٹنگ کے دوران چند ترقی پسند فکر رکھنے والے مفکرین نے رائے دی کہ بلوچی زبان کے لیے رومن رسم الخط اپنایا جائے۔ مگر ادیبوں کی اکثریت اس سے متفق نہیں ہوئی جس کی کئی وجوہات تھیں۔ چونکہ بلوچی زبان پاکستان میں صوبہ بلوچستان کے علاوہ ایران اور افغانستان میں بولی جاتی ہے جہاں اس زبان کے لیے فارسی رسم الخط کو اپنایا جاچکا ہے۔ بلوچی کی قریبی ہمسایہ زبانیں مثلاً اردو، فارسی، پشتو، براہوئی،

سندھی، پنجابی اور سرائیکی وغیرہ کے لیے فارسی رسم الخط اور عربی رسم الخط سے وضع کردہ خط اپنایا گیا ہے۔ اس لیے درمیان میں صرف ایک زبان کے لیے رومن رسم الخط کو اختیار کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ (a18)

یوں تو بلوچی کے لسانی حلقوں میں اس موضوع پر بحث تا حال جاری ہے تاہم فی زمانہ بلوچی کے تمام ادیب اور دانشوراور اہل علم اس بابت پر متفق ہیں کہ بلوچی کے لیے فارسی یا موجودہ اردو رسم الخط ہی مناسب ہے۔ تاہم بلوچی کے ایک نامور محقق ڈاکٹر بدل خان بلوچ کی تجویز ہے کہ "اوّل تو بلوچی کے لیے رومن رسم الخط کو اپنایا جائے اور اگر فی الوقت یہ ممکن نہیں تو موجودہ عربی فارسی حروف تہجی سے ث، خ، ڈ، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق کو کم اِز کم خذف کر دیا جائے (19)۔

بلوچی حروف تہجی

حروف یا ہجہ کی ایجاد کنعان سینا اور فلسطین میں آباد مغربی سامیوں سے منسوب کی جاتی ہے۔ جن کا رسم الخط فنیقی کہلاتا ہے۔ دنیا کے جتنے بھی غیر تصویری رسم الخط ہیں ان میں اکثر کا مآخذ یہی شمالی سامی یا فنیقی رسم الخط ہے۔ جس سے تین مشہور رسم الخط پیدا ہوئے جو آرامی، یونانی اور قدیم عبرانی کہلاتے ہیں۔ آرامی رسم الخط سے عبرانی، عربی، پہلوی، کھردشتی (خروشی) اور براہمی تحریروں نے جنم لیا (20)۔

عربی زبان کے حروف تہجی کی کم تعداد فارس اور برصغیر میں فارسی اور ہندی آوازوں کے لیے نئے حروف بنانے کا وسیلہ بنی۔ اسی طرح برصغیر کی دیگر زبانوں کی طرح بلوچی زبان میں بھی نئے حروف وضع کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

بلوچی زبان کے قدیم مسودوں میں سے ایک کتاب ''کتاب لفظ بلوچی'' جسے کمالان گچکی نے 1763ء میں تصنیف کیا۔ بلوچی کے لیے فارسی ابجد کے حروف میں تین ہندی نژاد آوازوں ٹ، ڈ اور ڑ کے لیے بالترتیب نئے حروف متعارف کرایا ہے۔ انیسویں صدی کے اوآخر میں براہوئی اور بلوچی زبانوں کی اشاعت کا معروف ادارہ مکتبہ در خانی ڈھاڈر (بلوچستان) کے علماء کرام جن میں مولوی حضور بخش جتوئی کا نام سر فہرست ہے، انہوں نے بلوچی زبان کے لیے 53 حروف تہجی لکھتے تھے جو درج ذیل ہیں:

ا۔ ب۔ بھ۔ پ۔ پھ۔ ت۔ تھ۔ ٹ۔ ٹھ۔ ث۔ ج۔ جھ۔ چ۔ چھ۔ ح۔ خ۔ د۔ دھ۔ ڈ۔ ڈھ۔ ذ۔ ر۔ رھ۔ ڑ۔ ڑھ۔ ز۔ ژ۔ س۔ ش۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ۔ ف۔ ق۔ ک۔ کھ۔ گ۔ گھ۔ ل۔ لھ۔ م۔ ن۔ و۔ ہ۔ ء۔ ی۔ یے۔ لا۔

قیام پاکستان کے بعد جب بلوچ دانشوروں نے بلوچی زبان کے لیے مذکورہ بالا حروف تہجی کے بجائے فارسی یا موجودہ اردو طرز تحریر کو اپنایا تو بلوچی زبان کے مشرقی اور مغربی لہجوں کا تضاد کا مسئلہ در پیش ہوا۔ اس سلسلے میں 1968 میں بلوچی اکیڈمی کوئٹہ نے بلوچی حروف تہجی اور اِملا کی درستگی کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی جس میں مقامی دانشوروں کے علاوہ سندھ سے ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ بطور خاص شریک ہوئے اور کمیٹی نے بلوچی زبان کے مغربی اور مشرقی لہجوں میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے پشتو زبان کی طرز پر نئے حروف تہجی وضع کیے۔ ف اور پ کے اختلاف کو ختم کرنے کے لیے درمیانی حرف فپ۔ دَ اور ذ کے لیے ایک درمیانی حرف ذ۔ خ اور گ کے لیے درمیانی حرف (**خی**) اور غ اور گ کے فرق کو ختم کرنے کے لیے درمیانی حرف (**غی**) کی منظوری دی۔ مگر عملی طور پر یہ حروف

تہجی کہیں استعمال نہیں ہوئے البتہ 1988ء میں جب بلوچستان کی صوبائی حکومت نے بلوچی براہوئی اور پشتو کو ابتدائی پرائمری تعلیم کے لیے مروج کرنے کی منظوری دی تو سرکاری سطح پر بننے والے قاعدے میں مذکورہ درمیانی حروف کو شامل کیا گیا۔ لیکن اگلے سال 1989ء میں نظر ثانی کرنے والی کمیٹی نے ان حروف کو ثقالت اور پڑھانے میں مشکلات کی باعث خارج کرنے کی سفارش کی۔

بلوچی زبان کے لیے حروف تہجی کی تعداد کا مسئلہ تاہنوز تصفیہ طلب ہے بلوچ دانشوروں کا ایک طبقہ جو بلوچی زبان میں غیر ضروری اضافوں کے خلاف ہے سید ہاشمی کے وضع کردہ صرف 25 حروف پر اتفاق کرتا ہے [21]۔ جبکہ دوسرا طبقہ جس میں بلوچی زبان کے نامور اور کہنہ مشق اہل قلم شامل ہیں بلوچی زبان میں بھی اس خطے کی دیگر زبانوں یعنی فارسی، اردو، سندھی، پشتو، پنجابی، براہوئی اور سرائیکی کے طرز پر عربی حروف کو شامل کرنے کے حق میں ہے اور بلوچی کے لیے بھی اردو کے تمام 50 حروف تہجی کو برقرار رکھنے کی حمایت کرتا ہے۔ جبکہ طبقہ اول کے خیال میں جن اصوات کو بلوچ ادا ہی نہیں کرسکتے ان حروف کو رسم الخط یا حروف تہجی میں برقرار رکھنا بلوچی لکھنے اور پڑھنے والوں کے لیے اضافی بوجھ ہوگا۔ اسی طرح طبقہ اول والے بلوچی زبان میں ہائیہ آوازوں بھ، پھ وغیرہ کو بھی غیر ضروری قرار دیتے ہیں جبکہ مشرقی لہجہ لکھنے والے ان حروف کا بکثرت استعمال کرتے ہیں۔

فی زمانہ بلوچی زبان میں جس قدر ادب تخلیق ہو رہا ہے اور جتنے اخبارات و رسائل شائع ہو رہے ہیں ان میں سے اکثریت بلوچی زبان کے طبقہ اول کے طرز تحریر کو اولیت دیتے ہیں۔ تاہم مستقبل میں اس کے نقصان دہ نتائج بھی سامنے

آسکتے ہیں کیونکہ دور جدید میں ذرائع ابلاغ کی ترقی وترویج اور عربی اور فارسی کے اثر ونفوذ اور اردو اور دیگر ہمسایہ زبانوں سے روابط اس بات کی متقاضی ہیں کہ فی زمانہ جس انداز سے اس خطے کی دیگر زبانیں فارسی اور عربی کے اثر کو قبول کر چکی ہیں۔ بلوچی کو بھی اس لسانی دوڑ میں ان کا ساتھ دینا پڑے گا۔ بہر حال بلوچی زبان کے انتہائی اور فوری نوعیت کے تصفیہ طلب مسائل میں سے ایک بلوچی حروف تہجی کے تعین کا مسئلہ ہے۔[22]

معیاری بلوچی زبان

بلوچی زبان کے بارے میں ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ بلوچی تین نمایاں لہجوں" مغربی، مشرقی، اور رحشانی بلوچی پر مشتمل کئی چھوٹے علاقائی لہجوں کا مجموعہ ہے۔ بلوچی زبان میں کس لہجے کو کس پر فوقیت حاصل ہے یہ ایک نہ ختم ہونے والی بحث ہے۔ تاہم میجر موکلر کے خیال میں قدرتی طور پر صحیح اور پاک زبان کی توقع (جو کہ بیرونی اثرات کی زد میں نہ آئی ہو) ملک کے وسطی حصہ میں کی جاسکتی ہے ان کے خیال میں یہ زبان ضلع کیچ (مکران ڈویژن) کے شمال اور جنوب میں واقع کوہستانی سلسلوں میں رہنے والے قدیم تر باشندوں کے پاس ہے[23]۔

بلوچی زبان کے موجودہ تین نمایاں لہجوں میں سے مغربی بلوچی کا نمایاں اثر موجودہ ذرائع ابلاغ میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے علاوہ اخبارات و رسائل میں نمایاں نظر آتا ہے۔ تمام بلوچی رسائل اِسی لہجے کو ذرائع ابلاغ کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔1960ء کی دہائی میں مشرقی لہجہ ذرائع ابلاغ میں نمایاں تھا۔ لیکن اپنی ثقالت اور عام قاری کے پاس عدم مقبولیت کی بناء پر وہ پس منظر میں جاتا رہا۔ یہی

صورت حال رخشانی لہجے کی ہے جو ایک وسیع و عریض علاقے میں بولے جانے کے باوجود بلوچی ادب پر اپنی گرفت کو مضبوط نہیں کر سکا۔ بلوچی کے مغربی لہجہ میں وہ تمام صلاحتیں موجود ہیں جو دوسرے لہجوں پر حاوی ہونے اور ادبی لہجہ کہلانے کے لیے ضروری ہیں۔ مغربی لہجہ کو ادبی حلقوں میں کسی فرد واحد یا مخصوص ادارے نے متعارف نہیں کرایا بلکہ یہ لہجہ اور طرز اِملا خود بخود ترقی پاتا گیا ہے اور سید ہاشمی کی وہ پیشن گوئی سچ ثابت ہوئی جو 1955ء میں کی گئی تھی۔

" وسیع بلوچستان میں بیسوں مختلف لہجے اور بولیاں ہیں اور ہر بولی یا لہجہ بولنے والا طبقہ اپنی بولی کو دوسروں کے لہجوں سے بدرجہ بہتر سمجھتا ہے اور کبھی اس بات پر متفق نہیں ہو گا کہ وہ اپنی بولی کسی دوسری بولی کی خاطر قربان کر دے۔ لہٰذا سب سے بہترین طریقہ کار یہی ہے کہ ہر شخص کو لہجوں اور بولیوں کے استعمال کی مکمل آزادی ہونا ی چاہیے اور جس بولی میں وہ صلاحیت ہو گی جو ادب پر چھا سکے وہ بولی خود بخود لوگوں کو اپنے استعمال پر غیر ارادی طور پر مجبور کرے گی[24]"۔

لہجوں میں یہ تضاد کیسے واقع ہوا اور آئندہ یہ خلیج بڑھے گا یا کم ہو گا۔ اس ضمن میں پروفیسر عبداللہ جان جمالدینی کہتے ہیں کہ "یہ تضاد ایسا بھی نہیں ہے کہ ایک لہجے کے لوگ دوسرے کو نہ سمجھ سکیں۔ اس تفاوت کی بنیادی وجہ رسم الخط کا نہ ہونا ہے۔ جب سے بلوچی نے تحریری صورت اختیار کی ہے اور دونوں لہجوں کے دانشور لکھ رہے ہیں یہ تفاوت کم ہوتا جا رہا ہے اور ایک معیاری ادبی بلوچی وجود میں آ رہی ہے"[25]۔

معروف ماہر لسانیات ڈاکٹر کارینہ جہانی معیاری بلوچی زبان کے بارے میں کہتی ہیں جس طرح مکرانی لہجہ دوسرے لہجوں پر اثر انداز ہو رہا ہے اس سے بخوبی اندازلگایا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں جو بھی معیاری زبان وجود میں آئے گی۔ وہ

اسی لہجہ سے قریب تر ہو گا اور وہ مشرقی لہجہ اور رخشانی لہجہ بولنے والوں کو بھی مجبور کرے گی کہ اُس لہجے کو بطور معیاری زبان قبول کرلیں۔ فی زمانہ یہ عمل جاری وساری ہے اور بلوچی کا کیچی یا مکرانی لہجہ دوسرے لہجوں پر حاوی ہوتا ہوا معیاری لہجہ بننے کی جانب تیزی سے گامزن ہے۔

بلوچی کے چند قدیم مخطوطات (قلمی مسودے)

اس وقت تک دستیاب قدیم مخطوطات کے لحاظ سے بلوچی زبان میں تحریر سب سے قدیم قلمی مسودہ مُلا حاجی رئیسی کا شعری مجموعہ " تذکرہ سلاطین مکران" ہے جو بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں لکھی گئی ہے۔ مُلا حاجی رئیسی قلات کے حاکم میر نصیر خان (1749-95) کے دور میں ہو گزرے ہیں ۔ اس کے بعد میر عثمان کلمتی کا قلمی مسودہ " دزنمشتی کتاب" ہے۔ دزنمشتی سے مراد قلمی مسودہ ہے۔ اس کے علاوہ بلوچی زبان کا تیسرا قدیم قلمی مسودہ میر کمالان گچکی کی تصنیف "کتاب لفظ بلوچی" ہے جو 1763 میں لکھی گئی ہے۔ ان کے علاوہ بلوچی زبان کے قدیم مخطوطات میں مشکے ، جھالاوان کے میروانی امراء خاص طور پر ملک دینار میرواڑی کے شعری دفتر ہیں جو بہی کھاتوں میں محفوظ کیے گئے ہیں ۔ قدیم قلمی مسودہ جو مُلا حاجی رئیسی کا شعری مجموعہ کے علاوہ " تذکرہ سلاطین مکران" کا اصل مسودہ برٹش لائبریری کے فارسی مسودات کے شعبے میں ہے اور اس کی کاپی چیئرمین بلوچی اکیڈمی جناب بشیر احمد بلوچ مرحوم کے پاس تھا۔ (26)

میر کمالان کی کتاب " کتاب لفظ بلوچی" کو بلوچی اکیڈمی نے شائع کرایا ہے اسی طرح " ملک دینار میرواڑی" کے اشعار کو بھی بلوچی کے ایک نامور محقق

یوسف گچکی نے ترتیب دے کر " زِری نود " کے نام سے بلوچی اکیڈمی کوئٹہ سے شائع کرایا ہے۔ جبکہ " تذکرہ سلاطین مکران " جس کے اصل نسخہ کی کاپی واجہ بشیر احمد بلوچ مرحوم کے پاس تھا جو تاحال شائع نہیں ہوا مذکورہ بالا تمام مسودے برٹش میوزیم لندن سے ملے ہیں اور ایک امکان یہ بھی ہے کہ اس لائبریری کے شعبہ فارسی کے قدیم مسودات میں سے اور بھی بلوچی مسودے مل سکتے ہیں۔

حوالہ جات:

1: موکلر، میجر، مترجم: بیگ محمد بیگل، بلوچی گرائمر، بار سوئم، 1988، صفحہ، 2

2: Compendium Linguarum Iranicram 4.1.2.6 Balochi,Josef Elepenbein,1989

3: جمالدینی، عبداللہ جان، بلوچی زبان کا ارتقاء (پاکستانی ادب بی اے یونٹ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، صفحہ، 8-1

4: The Balochi Among the Median Band , Mir Aqil Mangal, bi-annaul journal "Pakistan Studies" Vol-1 .1990 PSC UoB, Quetta page-17

5: زبان و ادبیات بلوچی ہم بستگی آں زبان و ادبیات فارسی، ڈاکٹر نور آحمد رئیسانی، تہران (غیر مطبوعہ، پی ایچ ڈی مقالہ) صفحہ، 50-51

6: خلیل صدیقی، زبان کا مطالعہ، قلات پبلشرز، مستونگ، 1964، صفحہ، 141

7: سید ہاشمی، بلوچی زبان ءِ راست نبیسگ، سید اکیڈمی، دبئی، 1964، صفحہ، 126

8: Carina Jehani , Standerdization and orthography in Blaochi Lanugage,Upsala, 1989,P, 84

9: standerdization and orthography in the Balochi .Lanugage,Carina Jahani,Upsala,1989,P,167

10: Elephen Bain,J A Balochi Language A dialectology .with text.p,10

Jan Mohammad ,The Baloch Cultural :11
Heritage,1982,Quetta,Ghosha-e-Adab,P/x

12: کامل القادری، بلوچی ادب کا مطالعہ، بولان بک کارپوریشن، 1976، کوئٹہ، صفحہ، 84

Gearge Margenstine Linguistic mission to north :13
.western India,1932,Narway.P.10

14: سید ہاشمی، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ، سید ھاشمی اکیڈمی، کراچی، 1986، صفحہ، 47

.Barker/Mengal,A Course in Balochi vol.1.P.xxv:15

16: سید ہاشمی، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ، سید ھاشمی اکیڈمی، کراچی، 1986، صفحہ، 47

17: ایضاً، صفحہ، 269

18: غور، عبدالرحمٰن، نغمہ کوہسار، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، 1968، صفحہ، 20

a18: صابر عبدالرزاق " براہوئی اور بلوچی کے لسانی روابط "براہوئی ادبی سوسایٹی پاکستان 2021 صفحہ نمبر ۱۷

19: بلوچ، بدل خان، بلوچی زبان ءِ نوشتہ ءِ رہبند، ماہنامہ لبزانک، اپریل، مئی، 1990، صفحہ، 15

20: خلیل صدیقی، زبان کا مطالعہ، قلات پبلشرز، مستونگ، 1964، صفحہ، 179-83

21: سید ہاشمی، بلوچی سیاھگ ءِ راست نبیسگ، دبئی، 1964، صفحہ، 22

22: بلوچ، بدل خان، بلوچی زبان ءِ رہبند، ماہنامہ لبزانک، حب، مارچ، 1990، صفحہ، 68

23 : موکلر، اے میجر / محمد بیگ، بلوچی گرائمر، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، 1988، صفحہ، 5

24: سید ہاشمی، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ، سید ہاشمی اکیڈمی، کراچی، 1986، صفحہ، 50

25: جمالدینی، عبداللہ جان، بلوچی زبان (پاکستانی ادب یونٹ، 1-8) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، صفحہ، 9

26: صابر عبدالرزاق " براہوئی اور بلوچی کے لسانی روابط " براہوئی ادبی سوسائٹی پاکستان 2021 صفحہ نمبر ۲۷

باب دوم

قدیم بلوچی ادب

ا: قدیم بلوچی ادب

ب: عشقیہ شاعری

ج: رزمیہ شاعری

د: عارفانہ شاعری

ڑ: عشقیہ داستانیں

س: لوک کہانیاں

ص: لوک گیت

ط: کہاوتیں

ع: ضرب المثال

ف: بجھارتیں

قدیم بلوچی ادب

بلوچی رزمیہ شاعری

بلوچی شاعری کا بیشتر حصہ رزمیہ اشعار پر مشتمل ہے ۔ بلوچی رزمیہ شاعری میں قبائلی لڑائیوں کے بیان کو اولیت حاصل رہی ہے۔ قومی لڑائیوں کے بارے میں بہت کم رزمیہ نظمیں دستیاب ہوئی ہیں البتہ دور آخر کے شعراء نے انگریزوں کے ساتھ اپنی لڑائیوں سے متعلق بہت سی رزمیہ نظمیں کہیں ہیں۔ بلوچی رزمیہ شاعری جو گذشتہ پانچ صدیوں پر محیط ہے بلوچستان اور بلوچوں کی قومی تاریخ کی حیثیت رکھتی ہے۔نامور محقق میر گل خان نصیر بلوچی رزمیہ شاعری کو زبان ، طرز ادا اور شاعرانہ محاسن کی بناء پر درج ذیل تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں[1]۔

1۔ پہلا دور:۔

یہ دور میر چاکر خان رند اور میر گوہرام کے زمانے پندرھویں صدی کے اواخر سے شروع ہو کر پنجاب اور سندھ کی طرف ان کی نقل مکانی یعنی سولھویں صدی کے نصف اول کے زمانے پر ختم ہوتا ہے۔

2۔ دوسرا دور:۔

یہ دور میر چاکر رند اور میر گوہرام لاشاری کی بلوچستان سے نقل مکانی یعنی 1550 کے بعد سے شروع ہو کر بلوچستان کی سرحدات پر انگریزوں کی آمد 1830 کے زمانے پر ختم ہوتا ہے۔

3۔ تیسرا دور:۔

یہ دور بلوچستان میں انگریزوں کی آمد یعنی 1830 سے 1920 تک پھیلا ہوا ہے۔

رندو لاشار قبائل میں جنگ بلوچی رزمیہ شاعری کا سب سے بڑا عنوان ہے۔ اس تیس سالہ خانہ جنگی نے جہاں ایک طرف اگر بلوچ قومی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور قبائل کو نا قابل تلافی مالی اور جانی نقصان پہنچایا وہیں دوسری جانب بلوچی زبان میں رزمیہ ادب کے ذخیرے میں نمایاں اضافہ کیا اور ایسی شائکار نظمیں تخلیق ہوئیں جو بلوچی ادب کے قیمتی شہ پاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ جن میں اس دور کے سیاسی و سماجی اور معاشی اور معاشرتی حالات وواقعات کھل کر بیان کیے گئے ہیں۔ بلوچی زبان میں رزمیہ شاعری کو بلوچ تاریخ کے ماخذ کے طور پر بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ واقعات نگاری، انداز بیان اور شعری اسلوب رزمیہ شاعری میں نہایت خوبصورتی سے ادا کیے گئے ہیں۔

رندولاشار خانہ جنگی کے دوران ایک دفعہ میر چاکر رندوں کا بہت بڑا لشکر لیکر لاشاریوں کے خلاف لڑنے نکلتا ہے۔ لیکن بیبگر رند اس کے گھوڑے کی باگ کو پکڑ کر اسے لڑنے سے باز آنے کی نصیحت کرتا ہے۔ بلوچ شاعر اس واقعے کو جس انداز سے بیان کرتا ہے ملاحظہ ہو:۔

چاکر پرچے ءِ بے سارئے
براتاں ماں زرءِ گُت دارے
سردار کینگاں کو تاہ کن
بُرزین کھنڈ گاں چم چار کن
نوحانی ہزار مرد بیت

بید چہ زحم جنیں لاشاری
بند نت بھلّو ءِ پجی ءَ
پیش کنزگ ترا حُونیگ انت
پد کنزگ پر اواں عیب اِنت
دیم ءِ رفتن ءِ نقصان انت
براتانی کُشگ تاوان اِنت
دنیا گردش و گردانی
ترا پادار نہ بیت اے فانی
تا نکن زندگ ءِ ارمانی۔ (2)

ترجمہ:۔

چاکر دیوانہ کیوں ہو رہے ہو
بھائیوں کو سمندر میں کیوں دھکیل رہے ہو۔
سردار! تلوار میان میں ڈال دو
اور اونچی گھاٹیوں پر نظر رکھو
نوحانی ایک ہزار بہادر میدان میں لے آئیں گے۔
بغیر ان شمشیر باز لاشاریوں کے
جو ایک ساتھ کمر بستہ ہو کر
تمہارے مقابلے میں صف آرا ہونا گے
تب آگے بڑھنا
تم کو ایک خونی جنگ میں پھنسا دے گا۔
اور پیچھے ہٹنا ان کے لیے عیب کی بات ہو گی۔

تم اگر (ان کو شکست دے کر) آگے بڑھو گے
تب بھی نقصان میں رہو گے۔
کیونکہ بھائیوں کو مارنے میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔
یہ دنیا ہمیشہ سے گردش میں ہے۔
تیرے ساتھ بھی یہ پائیدار نہیں ہو گی
بھائیوں کو مار کر تم زندگی بھر پچھتاؤ گے۔

میر چاکر اور میر گوہرام کی رزم آرائیوں کے بعد درمیانی دور کے رزمیہ اشعار میں سہراب دوداہی اور اس کے ہم عصروں کی باہمی چپقلشوں سے متعلق رزمیہ اشعار بھی بلوچی رزمیہ شاعری میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ بجار، پیروز شہ، بابر، سہراب، حیرو، مندر، حاجی غازی اس دور کے نمایاں شعراء اور قبائلی لڑائیوں کے سرغنہ اور اہم کردار تھے [3]۔ ان کے علاوہ بالاچ گورگیج کا شمار متقدمین کے آخری دور کے شعراء میں ہوتا ہے۔ بالاچ کی رزمیہ شاعری کی نمایاں خصوصیت اس کا قومی جذبہ ہے۔ میر گل خان نصیر کے خیال میں بالاچ کی شاعری ایک ایسا آگ ہے جو اس کی نظمیں سننے کے بعد ہر انتقام لینے والے بلوچ کی دل میں آگ بھڑکاتی ہے [4]۔ بالاچ کے رزمیہ اشعار سے چند نمونے:۔

بی بکر تراھوش مہ سرِانت
من جنگے نہ داتاں توکگی
شیری ءَ بور نیتاں بدی
نئے بور بِستان دہ صدی
نہ لشکرے سیاہ وبزین

من پہ وتی ھیسی سرءَ
ہر شپ چو بشامی جڑءَ
بندان دکایاں پہ مڑءَ[5]

ترجمہ:۔ بی بکر کہاں تیرے ہوش و ہواس بجا ہیں
میں گیدڑ کی طرح نہیں لڑتا
بلکہ شیر کی طرح دشمنوں کو توڑتا ہوں
میرے پاس نہ تو ہزاری گھوڑے ہیں
اور نہ ہی بڑا لشکر ہے۔
میں صرف اپنے ہی اکیلے سر پر
ہر رات ساون کے تیز برسنے والے بادلوں کی طرح
امڈ کر لڑنے آتا ہوں۔

بلوچی رزمیہ شاعری کے دوسرے دور میں ایک طویل نظم ساحل مکران کے کلمتی ہوت بلوچوں کے سردار حمل جیئند اور پُرتگیزوں کے درمیان اس لڑائی سے متعلق ہے جس میں حمل جیئند متعدد بار بحری لڑائیوں میں پرتگیزی قزاقوں کو مار بھگاتا ہے اور بالاخر شکست کھا کر گرفتار ہوتا ہے یہ نظم اس دور (1509 سے 1595 تک) کی ہے جب پرتگیزی بحری قزاق بحیرہ ہند میں ڈاکہ ڈالا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس رزمیہ نظم کو میر حمل کی بہن نے تخلیق کیا ہے[6]۔

اس تاریخی نظم کے چند اشعار درج ذیل ہیں:۔

ہپت شپ وہپت روچ شاگ پما یک گوش ءُشتہ
ہشتمی روچ ءَ آر تش گوں جوریں دشمناں
چار گہراب انت گوں مرگھی چرو کیں بانزلاں
حمل ءِ شاگش چپ وچو گرد ءَ گپتگنت
تو ارش پر کرت کہ حمل! اتر ادسگیر کنوں (7)

ترجمہ:۔ سات راتیں اور سات دن اسی ایک سمت میں کشتی تیرتی چلی گئی
آٹھویں دن دشمنوں سے ان کی مدبھیڑ ہوئی
دشمن کی چار کشتیاں پرندے کی طرح پر پھیلائے نظر آئے۔
انہوں نے چاروں طرف سے حمل کی کشتی کو گھر لیا
اور للکارا کہ حمل! ہم تجھے گرفتار کرلیں گے۔

جام درک بلوچی کلاسیکل شاعری میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ میر نصیر خان نوری کی دربار سے وابستگی کی بناء پر وہ ملک الشعراء بھی کہلاتا ہے۔ جام درک یوں تو ایک غزل گو اور درویش منش شاعر رہاہے اُسے بالاچ اور دیگر رزمیہ گو شعرا جیسی دسترس تو حاصل نہیں تاہم میر نصیر خان نوری (1794۔ 1749) والی قلات کی کیچ سے روانگی کا جو نقشہ کھینچاہے وہ یہ ہے۔

نیکباں سنج کرت انت اسپ گلمیر
حد احکم ءَ گوں بستہ میان ءِ زرہ بر
حبتہ منزل پہ منزل روچ وشپ گیر
شتہ من ہلکواں در کپتگ انت دیر (8)

ترجمہ:۔ نوکروں نے (خان کے) گل میر نامی گھوڑے پر زین ڈال دی
اور اس نے خدا کے حکم سے اپنی مقناطیسی تلوار کمر سے باندھ
لی۔
اور پھر دن رات ایک کر کے اپنے منزل کی طرف روانہ ہوا۔
یہاں تک کہ وہ اس علاقے سے دور نکل گیا

بلوچی رزمیہ شاعری کی تاریخ میں ان نمائندہ شعراء کے علاوہ اور بہت سے چیدہ چیدہ شعراء کا ذکر آتا ہے جن میں نوشکی کے ریکی، بشام اور فقیر شیر جان کی خوبصورت اور ولولہ انگریز رزمیہ اشعار، شاعر رحم علی مری اور بجار کے انگریزوں کے خلاف بلوچوں کو ابھارنے والی نظمیں، ملا مزار بنگلزئی کی ہفت زبانی نظم "لاٹءِ بگھی" جس میں انگریزوں سے نفرت اور سرداروں کی بے ہمتی اور بزدلی پر انہیں طعنہ دیا گیا ہے بہترین رزمیہ داستانیں ہیں۔ ان کے علاوہ بلوچی رزمیہ شعراء میں جن سرکردہ شاعروں کا ذکر آتا ہے ان میں ملا محمد حسن، رحم علی مری، ملک دینار میر واڑی وغیرہ شامل ہیں۔ بلوچی رزمیہ شاعری کا ایک بڑا حصہ ان گمنام "پہلوان" [9] شاعروں کی تخلیق کردہ ہے جنہوں نے بہادروں یا بزدلوں کو ان کے نام سے پکار کر ان کے کارناموں کی تعریف یا بے ہمتی پر ہجو کہے ہیں۔ ان اشعار میں بلوچوں کی ہمیت و غیرت اور جنگی حکمت عملی اور میدان رزم میں ان کے ہمت و حوصلہ وغیرہ کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔

فقیر تاج محمد تاجل یوں تو براہوئی کے علاوہ بلوچی, سندھی, سرائیکی, فارسی اور اردو میں بھی صوفیانہ اشعار کہے ہیں۔ تاہم ان کی شاعری میں بلوچی کے چند رزمیہ اشعار بھی ملے ہیں۔

بلوچی عشقیہ داستانیں

بلوچی کلاسیکل داستانیں بلوچی کلاسیکل ادب اور خاص طور پر قدیم بلوچی شاعری کو بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں خود بلوچوں کی تاریخ پر بھی کلاسیکی شاعری کی مدد سے روشنی پڑتی ہے۔ بلوچی عشقیہ داستانیں بلوچی کلاسیکی ادب کا گراں مایہ سرمایہ ہیں۔ یہاں ان چند کلاسیکی داستانوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو بلوچی کلاسیکی ادب کو بنیاد فراہم کرتی ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

بیبگر (بیبرگ) و گراناز

یہ عشقیہ داستان پندرھویں صدی عیسوی کی ہے اس کا مرکزی کردار میر چاکر رند کا بھانجا اور میر بیارر رند کا بیٹا بیبرگ ہے مشہور انگریز محقق لانگ ورتھ ڈیمز کا خیال ہے کہ یہ داستان بعد کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔[10] اس کہانی کا تاریخی پس منظر کچھ یوں ہے کہ رندولاشار کی طویل جنگ کے دوران میر چاکر نے بیبرگ کو اپنا سفیر بنا کر فوجی مدد کے لیے ترکوں کے پاس قندھار بھیجا جہاں اس کی نظر قندھار کے ترک حاکم ذوالنون بیگ کی بیٹی گراناز پر پڑتی اور وہ اسے دل دے بیٹھتا ہے۔ پہلی بار تو وہ ترک امداد سے لاشاریوں پر فتح حاصل کر گئے، مگر گراناز کے

عشق میں بیبرگ کو کسی کل چین نہیں آتا تھا اُس نے گراناز کو حاصل کرنے قندھار کا رُخ کیا۔ جب میر چاکر کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے حاکم قندھار کے پاس قاصد بھیجا کہ بیبرگ کو قید میں ڈال دے۔ بیبرگ قندھار میں گرفتار ہوا۔ میر چاکر کے قندھار آنے پر وہ قید سے آزاد ہوا تو ایک رات شاہی محل کی دیوار پر کیلیں ٹونک کر چڑھ گیا اور گراناز کو نیند سے جگا کر ساتھ لیا دونوں واپس آئے اور میر گوہرام کے باہوٹ ہوئے (باہوٹ بلوچی میں پناہ میں آئے ہوئے مہمان مسافر یا کوئی بھی مصیبت زدہ شخص کو کہتے ہیں)۔ ترکوں نے میر گوہرام کو گراناز کی واپسی کا کہا مگر اس نے بلوچی ضابطہ اخلاق (Code of honour) کے مطابق باہوٹ کو واپس نہیں کی۔ رند اور لاشار نے آپس کے اختلافات کو بُھلا کر مشترکہ طور پر ترکوں سے مقابلے کی تیاری شروع کی۔ صبح میدان جنگ میں تلواریں چل جاتیں مگر بیبرگ کمال دلیری اور ہوشمندی سے کام لیکر پہرہ داروں سے چوری چپکے ترک حاکم کے خیمے میں داخل ہوا اور اپنا مدعا بیان کیا اور کہا کہ اگر چاہو تو میرا سر قلم کر دو اور چاہو تو گراناز مجھے بخش دو۔ حاکم اس کی اِس بہادری سے بہت خوش ہوا اور گراناز اُسے بخش دی۔ ترک واپس قندھار چلے گئے اور بیبرگ کی عقلمندی کی وجہ سے خون خرابہ ہوتے ہوتے رہ گیا[11]۔

اس دوران اپنے اوپر گزرنے والے مصائب کا ذکر بیبرگ اِن الفاظ میں کرتا ہے۔

سر منی کپتہ حاکمی زیلاں
بادشاہی تانڑو و تیلانک آں

(میں بادشاہ کی قید میں ہوں اور دھمکیاں اور مصیبتیں میرا مقدر بن گئی ہیں)

وہ گراناز کے حسن و جمال کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

من جن اے سیاہ مار چوٹویں دیستہ
ہندماں ءِیری ہپتمی محل ایں
(میں نے کالی ناگن جیسی زلفوں والی ایک حسینہ دیکھی ہے، جو بادشاہ کے محل کی ساتویں منزل پر رہتی ہے۔)

اس عشقیہ داستان میں واقعات و حکایات نہایت بیباکی سے بیان کیے گئے ہیں۔ بیبرگ کی جوانمردی، دلیری، حکمت و دانش کو نہایت خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ بیبرگ اور گراناز کی اس کہانی کو بلوچی عشقیہ داستانوں میں بہت اہم مقام حاصل ہے۔

عزت و مہرک

عزت و مہرک کے اِس عشقیہ داستان کو ملا عزت پنجگوری نے رقم کی ہے جو ملا فاضل (متوفی ۱۲۷۰ھ) کا ہم عصر تھا(12) اس داستان کا مختصر تاریخی پس منظر کچھ یوں ہے کہ ملا عزت نے ملا فاضل سے پیردان کی حسینہ مہرک کے حسن و جمال کا قصہ سنا تو اس پر نادیدہ عاشق ہو کر پیردان (مکران) پہنچا۔ جہاں جلد ہی اس کے عشق کا چرچا ہونے لگا مہرک کا باپ سالک سمجھدار آدمی تھا اس نے پہلے تو عزت کو سمجھانے کی کوشش کی بالاخر عزت کی ضد کے سامنے وہ مہرک کا رشتہ دینے پر رضامند ہو گیا اور ساتھ ہی ایک خطیر رقم بطور لب (وہ نقد رقم جو لڑکے والے لڑکی والوں کو ادا کرتے ہیں) طلب کی جس کے لیے عزت راضی ہو گیا اور رقم جمع کرنے کے لیے تجارتی قافلوں کے ساتھ محنت مزدوری پر لگ گیا۔ طویل عرصے کے بعد جب وہ مطلوبہ رقم برابر کر کے واپس پیردان پہنچا تو پتہ چلا کہ مہرک اسی روز فوت

ہو چکی ہے۔ یہ سن کر مہرک آہ وفغان کرتا ہوا وہاں سے چل پڑا اور ساری عمر مہرک کی یاد میں ماتم کرتا اور اس کے حسن وجمال کے نغمے الاپتا رہا۔

عزت مناں چوں بلبلی
گوں نالگاں گل رحم کنت
بے صبر و بے آرام دِلے
زانین منارا خوار کنت ۔

ترجمہ:۔ عزت میں بلبل کی طرح ہوں
جس کے آہ وفغان پر پھولوں کو ترس آنا چاہیئے۔
بے صبر اور بے آرام دِل
جانتا ہوں کہ مجھے خوار وخراب کر دے گا۔

مہرک کے حسن وجمال کی تعریف کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ
تو کہ نہ دیستگ دلبر وختے کہ واب کنت
انداے روچ وماہءَ بے شک تہار کنت

ترجمہ:۔
تونے میری محبوبہ کو نہیں دیکھا جب وہ ناز وادا کے پھول بکھیرتی ہے۔
تو اس کے حسن کے سامنے سورج اور چاند ماند پڑ جاتے ہیں۔

عزت و مہرک کی اس عشقیہ داستان میں ملا عزت کی شاعری سے خوبصورت تشبیہات، نازک خیالی اور داخلی کیفیات کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔ اس تاریخی عشقیہ داستان کے بارے میں نامور محقق بشیر احمد بلوچ رقمطراز ہیں کہ " جس طرح عزت و مہرک کی داستان میں عزت کی بد دعانے مہرک کے پسماندگاں کو جلادیا۔ وہ خود دل جلا تھا اس کے اشعار بھی دلوں کو جلادیتے ہیں"۔(13)

توکلی مست اور سمو

توکلی مست بلوچوں کے نامور قبیلہ مری میں شیرانی طائفہ سے تعلق رکھتا تھا۔ سمو نامی عورت سے عشق کی بناء پر مست توکلی کو لوگ سمو بیلی یعنی سمو کا ساتھی کہہ کر پکارتے ہیں۔ لیکن مری قبائل میں وہ اپنے نام کے بجائے مست کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ اس عشقیہ داستان کا پس منظر اس طرح ہے کہ توکلی مست ایک دفعہ برسات کے موسم میں کسی سفر پر جارہا تھا۔ راستے میں تیز بارش ہوئی اور وہ سر چھپانے قریبی خانہ بدوشوں کے خیموں میں چلا گیا۔ جہاں سمو اپنے شوہر کے ساتھ خیموں کی طنابیں درست کر رہی تھی۔ مست کی نظر سمو پر پڑی اور وہ سمو پر جان و دِل گنوا بیٹھا۔ اس واقعے کے بعد مست کی زبان پر ہر وقت سمو کا ذکر رہتا تھا اور اس نے اپنے تمام تر شاعری کا محور سمو کو بنادیا۔ توکلی مست سمو کی یاد دل میں لیے برصغیر کے کونے کونے میں گھوما پھرا بزرگوں کی درگاہوں پر حاضری دی، اس دوران دہلی میں انگریزوں نے اسے پاگل سمجھ کر قید بھی کر لیا۔ قید سے رہائی کے بعد جب ایک روز واپس کاہان پہنچا تو دیکھا کہ لوگ ماتم کناں ہیں اور سمو فوت ہو چکی ہے۔ اس واقعے نے مست کو بڑا متاثر کیا اور وہ آخری دم تک سمو کے مزار پر شعر کہتا رہا۔

مست توکلی نے سمو کی یاد میں جس قدر اشعار کہے ہیں وہ سب دل کی گہرائیوں سے نکلے ہیں۔ سمو سے پہلی ملاقات کا ذکر وہ اِن الفاظ میں کرتا ہے۔

واں چڑاں کُل ءِ بانزراں سِستہ
گوات ءِ تر پان شار ءِ سری بُرتہ
دل منی مجنٰی بیت ہواں دوشی
برو بیدھاں مست ومد ہوشی (14)

ترجمہ:۔ تیز و تند ہواؤں نے خیموں کی کیلیں اکھاڑ دیں۔
اور اس (سمو) کے دوپٹے کو بھی لے اُڑے۔
میرا دل اسی روز مجنون کی طرح شیدا ہوا۔
اور میں بیابانوں میں مست و مدہوش ہو کر رہ گیا۔

توکلی مست کے کلام کے فنی محاسن بیان کرتے ہوئے میر مٹھا خان مری لکھتے ہیں۔
مست توکلی کے کلام میں شہ مُرید اور قویل جَت کا سوز و گراز، جام دُرک کی رنگینی اور بلندی تخیل کے علاوہ تعریف کا رنگ بھی موجود ہے توکلی مست ایک درویش صفت پاکیزہ اور سفلی جذبات سے بلند تر انسان تھا(15)۔

دوستین و شیرین

بلوچی عشقیہ داستانوں میں سے ایک خوبصورت داستان دوستین و شیرین کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دوستین رند قبیلے کا فرد تھا میر معصوم شاہ بھکری نے جب سبی پر حملہ کیا تو دوستین بھی گرفتار ہوا اور ہڑند کے مقام پر گلہ بانی پر معمور کیا گیا۔ شیرین

دوستین کی منگیتر تھی۔ دوستین کے ایام اسیری میں شیرین کی شادی کسی اور جگہ طے کرلی جاتی ہے، دوسری جانب ایک روز عید کی صبح گھوڑ دوڑ کی بازی لگتی ہے۔ دوستین بھی ایک گھوڑے پر سوار حاکم کے سامنے آکر روانہ ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے حاکم سمجھتا ہے کہ مقابلے میں شرکت کی اجازت مانگ رہا ہے مگر دوستین گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا اپنے علاقہ نرمک پہنچتا ہے۔ لوگوں کو جشن مناتے اور شادیانے بجتے دیکھتا ہے اور اُسے پتہ چلتا ہے کہ اس کی محبوبہ شیرین کی شادی کسی اور دوستین نامی نوجوان سے ہونے والی ہے۔

وہ محفل میں آکر خوش الحانی سے گانے لگتا ہے۔ رند اسے پہچان لیتے ہیں اور دوستین کی شادی شیرین سے طے پاتا ہے[16]۔

اس مشہور رومانی داستان کو بلوچی کے ملک الشعراء جام درک کے حوالے سے مشہور انگریز محقق لانگ ورتھ ڈیمز اپنی تصنیف " پاپولر پوئٹری آف بلوچیز" میں درج کرتا ہے جس کی مزید تفصیل کی بابت وہ لکھتا ہے کہ:

" دوستین کی نسبت لال خان رند کی بیٹی شیرین سے طے پاچکی تھی۔ ایک مرتبہ ترکوں نے یلغار کی) بلوچ اکثر مغلوں اور تمام غیر ملکیوں کو بھی ترک خیال کرتے تھے (اور ان کے گاؤں پر شب خون مارا کچھ لوگوں کو ہلاک کیا اور دوستین کو گرفتار کرکے ہرات لے گئے۔[17]

للہ اور گراناز

للہ اور گراناز کی عشقیہ داستان ضلع لسبیلہ میں کلمت کی بندرگاہ سے متعلق ہے۔ جس کے بارے میں جناب بشیر احمد بلوچ کا خیال ہے کہ اس واقعے کو تین سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے[18]۔ گراناز کلمت کے ایک مشہور و معروف

شخص میر باران کی بیٹی تھی اس کی شادی للہ نامی نوجوان سے ہو چکی تھی۔ اس دوران ایک قبائلی لڑائی میں میر باران کے دشمنوں نے حملہ کیا اور للہ بھی جنگ میں شریک تھا اس کی تلوار ٹوٹ گئی اس جنگ میں میر باران اور اس کے بیٹے مارے گئے۔ اس واقعے کے بعد گراناز للہ کو بزدل سمجھنے لگی اسے باپ اور بھائیوں کی موت سے زیادہ شوہر کی بزدلی کا صدمہ ہوا۔ ان کے درمیان عارضی علیحدگی ہوئی اور دونوں اشعار کے ذریعے ہمکلام رہتے تھے۔ گراناز اشعار میں للہ کو بزدلی کا طعنہ دیتی ہے اور وہ اپنی صفائی پیش کرتا ہے۔

گراناز میدان جنگ سے شوہر کے اس طرح بھاگ نکلنے کو اپنے اور اپنی خاندان کے لیے بد نما داغ تصور کرتی ہے۔ کیونکہ اُسے للہ کی جوانمردی پر فخر ہوتا ہے وہ ایک طویل نظم میں کہتی ہے۔

پہر من بست انت پیسری روچاں
گوں وتی جانی دز گہارُکاں
کئیت تئ شیری کشتنءِ احوال
گوں سری ورنایاں شلانیگناں (19)

ترجمہ:۔ پچھلے دنوں کی بات ہے
جب میں اپنے سہیلوں سے تمہاری بہادری کا ذکر کر کے
فخر محسوس کرتی رہی۔
میں ہمیشہ یہ سوچتی رہی کہ تو شیر کی موت مرے گا۔
اور تیرا نام بہادر جیالوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے للہ جواب میں کہتا ہے

گوش کن او دریں نوک زبادانی
من نہ کرتگ سُستی امَلِ ثانی
مردو نامرد پید اور وڈُرست انت
مردمانی جنگانی نشان ہست انت[20]

ترجمہ:۔ اے ماہ لقا تو سُن لے
میں نے اب تک بزدلی نہیں دکھایا۔
مرد اور نامرد (بہادر اور بزدل) ہر وقت پہچانے جاتے ہیں۔
مردوں کی بہادری کے ثبوت موجود ہوتے ہیں۔

کچھ عرصے کے بعد للہ اپنے سسر اور سالوں کا بدلہ لے لیتا ہے اور دشمن کے کئی آدمیوں کو تہہ تیغ کر لیتا ہے اور اس واقعے کے بعد گراناز کو للہ کی جوانمردی کا یقین ہو جاتا ہے اور چونکہ انھوں نے قسم کھائی ہوتی ہے لہذا ملاؤں اور قاضیوں سے رجوع کیا جاتا ہے اور دونوں از سرِ نو میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے لگتے ہیں۔ للہ و گراناز کی یہ ساری داستان نو طویل نظموں پر مشتمل ہے جو انھوں نے ایک دوسرے کو مخاطب کر کے کہی ہیں اصل شاعر کا سراغ نہیں مِلتا مگر نظموں کی زبان نہایت عمدہ صاف اور شستہ ہے[21]۔

ان عشقیہ داستانوں کے علاوہ بلوچی زبان میں "کیّا و صدو" اور "حمل و ماہ گنج" کی رومانی داستانیں بھی خوبصورت ادبی شہ پارے کہلائی جا سکتی ہیں۔ بلوچی عشقیہ داستانوں پر مشتمل تحقیقی کتب میں میر گل خان نصیر کی بلوچی عشقیہ داستانیں

اور، مٹھا خان مری کی کتاب "عہدی بلوچی شاعری" ٹی جے ایل مئیر اور عبدالرحمان براہوئی کی کتاب " عہدی شاعری"، اکرم صاحب خان کی کتاب ''یات وسوگات'' اور جان محمد دشتی کی کتاب "وش اتنت عہدی دور بلوچانی" قابل ذکر ہیں۔

بلوچی عارفانہ شاعری

بلوچی شاعری اور خاص طور پر کلاسیکی شاعری زیادہ تر رزمیہ اشعار اور رزمیہ گیتوں پر مشتمل ہے۔ لیکن بلوچی عارفانہ شاعری میں وہ تمام فکر و خیالات پائے جاتے ہیں جو بر صغیر پاک و ہند کی دیگر زبانوں میں موجود ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلامی تصوف کی ترویج و اشاعت میں شعراء نے ہر دور میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسلامی تصوف پر کام کرنے والی ایک نامور جرمن سکالر ڈاکٹر این میری شمل کہتی ہیں۔

> اسلامی دنیا بحیرہ اوقیانوس سے لیکر بر صغیر تک ایسے عظیم مذہبی شخصیات کا مسکن رہا ہے جن میں نمایاں شعراء قابل ذکر ہیں۔ جنہوں (شعراء) نے عارفانہ فکر و خیالات کو فنکارانہ اشعار میں سادہ لوک گیتوں کی طرح گا کر مقامی زبانوں کی ترقی و ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ (22)۔

غزل گوئی کی ابتداء یوں تو عربی سے ہوتی ہے مگر اس میں صوفیانہ فکر و فلسفہ اور عارفانہ خیالات کو سب سے پہلے قدیم فارسی شعراء نے متعارف کرایا۔

جنہوں نے نہ صرف صوفیانہ خیالات کے اظہار کے لیے عام مروجہ الفاظ کو نئے معنی اور مطلب دیئے بلکہ ذو معنی الفاظ کا ایک جدید فرہنگ بھی مرتب کیا جیسے ساقی میکدہ، جام، صراحی، سبو، وغیرہ وغیرہ مگر ان الفاظ کے پردے میں تصوف کے وہ معارف و اسرار بھی بیان ہوئے جن سے تصوف کے مسائل پر فلسفیانہ انداز میں خیال آرائی ہونے لگی[23]۔ میر مٹھا خان مری کے بقول چونکہ بلوچ شعراء فلسفہ کی اِن بھول بھلیوں سے ناواقف تھے لہذا انہوں نے صوفیانہ فکر و خیالات کو نہایت سیدھے سادے اور سپاٹ انداز میں بیان کیا[24]۔

بلوچ شعراء میں سے ملک الشعراء جام درک، ملا فاضل، مست توکلی اور جوانسال بگٹی نے اِسی روایت کو اپنایا اور انہوں نے تصوف کے مختلف عنوانات مثلاً ذات باری تعالی، صفات اِلہی، حقیقت روح، واقعہ معراج، فکر و غنا، صبر و رضا اور وحدت الوجود وغیرہ کو اپنا موضوع سخن بنایا۔ مست توکلی بلوچی کلاسیکل شاعری میں ایک منفرد نام ہے ان کی شاعری میں صوفیانہ فکر و خیالات واضح انداز میں پائے جاتے ہیں ان کی شاعری کے مضامین اور فنی محاسن کے بارے میں بلوچی کے نامور نقاد میر مٹھا خان مری لکھتے ہیں۔

”مست جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ایک مجذوب درویش تھا وہ ساری زندگی روحانیت کے گیت الاپتا رہا اور عرفان و آگہی کے جوت جگاتا رہا۔ انہوں نے نہ صرف اپنی زندگی عبادت و ریاضت میں گزاری بلکہ دوسروں کو بھی درس دیتے رہے۔ انہوں نے (بلوچی کے) چمنستان ادب میں تصوف اور معرفت کے ایسے رنگ برنگے پھول کِھلائے جن کی مہک آج بھی شام جہان کو معطر کرتی ہے[25]۔

مست توکلی کا انداز بیان دوسرے ہم عصر شعراء سے یکسر مختلف ہے کیونکہ وہ صرف ایک شاعر ہی نہیں با عمل صوفی بھی تھے۔ ان کے چند اشعار بطور نمونہ ملاخطہ ہوں۔

یار ہماں یاراں کہ جائدی یاراں
حیدری گپتاراں خبر داراں

ترجمہ:۔ دوست ان کو کہا جاتا ہے جو مستقل دوست ہوتے ہیں اور وہ حیدر (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کی فرمودات سے باخبر ہوتے ہیں۔

بلوچی شاعری میں عارفانہ فکر و خیالات کو سیدھے سادھے انداز سے پیش کرنے والا ایک اور نمایاں شاعر جو انسال بگٹی ہے۔ جن کے بارے میں مختلف بلوچ محققین کے آرا مختلف ہے۔ عبدالرحمٰن غور انہیں بلوچی زبان کا سعدی کہتے ہیں [26]۔ جبکہ میر گلزار خان مری کہتے ہیں کہ تصوف میں ان سے بڑھ کر کوئی بلوچ شاعر نہیں ہے [27]۔ تاہم جو انسال بگٹی بلوچی ادب اور خاص طور پر کلاسیکی بلوچی شاعری میں ایک نمایاں نام ہیں۔ جو طویل عمر پا کر 1966 میں فوت ہوئے ان کی عارفانہ شاعری کے چند نمونے ملاخطہ ہوں۔

چماں دیتغان رب بازیں رنگ
وختے حیر ینو و ختے جَنگ
وختے عقلاں درٹھاں درنگ
وختے سائیں ماں بت ءَ ٹنگ

ترجمہ:۔ اے رب ہماری آنکھوں نے تیری قورت کے بہت سے رنگ دیکھے ہیں۔

کبھی امن داماں ہے اور کبھی جنگ و جدل
کبھی تو انساں اپنی للکار سے پہاڑوں کے دل ہلا تا ہے
اور کبھی یہ حالت کہ سانس گلے میں اٹکا ہو تا ہے[28]۔

ایک اور جگہ پر جو انسال بگٹی کہتا ہے۔

تئ قدر تاں روش و شف گندہ غایاں
تئ جند ءِ نہ گنداں کہ چماں بغایاں

ترجمہ:۔ میں تیری قدرت کے کرشمے دن رات دیکھتا رہتا ہوں
لیکن تیری ذات پاک کو نہیں دیکھ پاتا اس لیے کہ میری
بصیرت اس قابل نہیں۔

ایک گمان یہ بھی ہے کہ بلوچی عارفانہ شاعری براہ راست فارسی کی نسبت سندھی زبان میں عارفانہ شاعری سے زیادہ متاثر ہے۔ لہذا بلوچی شاعری میں تصوف کے فکر و فلسفہ کی مزید ترویج و اشاعت میں ان بلوچ ذوالسان شعراء کا اہم کردار رہا ہے جو بلوچستان کے میدانی علاقوں خاص طور پر موجودہ سبی اور نصیر آباد ڈویژنوں (سابق کچھی و سبی میدانوں) سے تعلق رکھتے تھے۔ ایسے شعراء کی تعداد یوں تو کافی ہے مگر ان میں سے چند نمایاں شعراء جن میں گنداوہ کے صوفی فیض محمد فیضل لاشاری، کراچی کے سید ملنگ شاہ بابا اور جیکب آباد کے صوفی پہلوان فقیر اور کچھی کے فقیر تاج محمد تاجل کا شمار ہو تا ہے۔

کراچی کے سید ملنگ شاہ نہ صرف صوفی شاعر تھے بلکہ انہیں بلوچی غزل کا بانی کہا جاتا ہے[29]۔ سید ملنگ شاہ (وفات ۱۳۴۴ ہجری بمطابق 1925,26) نہ

صرف بلوچی کے قادر الکلام شاعر تھے بلکہ خود بھی سید ہونے کے ناطے پیری مریدی کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے[30]۔

ان کے بلوچی کلام کی عدم دستیابی کے بارے میں سید ہاشمی کہتے ہیں۔

"افسوس کا مقام ہے کہ کراچی جیسے ایک شہر میں رہنے کے باوجود ان کا کلام آج تک شائع نہ ہو سکا۔ مزید افسوس اس بات کی ہے کہ ان کے مجموعہ کلام کا قلمی نسخہ بھی دستیاب نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ملنگ شاہ کا کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوا۔ دو لڑکیاں تھیں جو اس کے وفات کے وقت کم عمر تھیں۔ ان کا کوئی بھائی اور سرپرست نہیں تھا لہذا ملنگ شاہ کا کلام کوئی والی وارث نہ ہونے کے سبب ضائع ہوا[31]۔

ملنگ شاہ کی صوفیانہ شاعری کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

یک دو روچی است اے دنیا ، اعتبارے ہیچ نیست
آ کجِ اِنت سلطان سکندر ، یادگارے ہیچ نیست

ترجمہ:۔ اس دو روزہ دنیا کا کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔
کہاں ہے سلطان سکندر جس کی ایک بھی یادگار باقی نہیں۔

ایک اور جگہ ملنگ شاہ کہتا ہے۔

مَن مِراں قبراں منیگ ءَ چوک و چار راہ ءَ کن اِت
گریوگ ءِ بدل ءَ منیگ ءَ چاپ و نازینک ءَ جن اِت

ترجمہ:۔ جب میں مر جاؤں تو میری قبر کو کسی چوراہے پر بنا دینا۔
اور رونے دھونے کی بجائے میری میت پہ خوشی کے گیت گانا[32]

بلوچی عارفانہ شاعری کے دو اور معتبر نام ہیں جن میں سے ایک صوفی فیض محمد فیضل اور دوسرا صوفی پہلوان فقیر ہے۔ جن میں سے اول الذکر کا تعلق ضلع کچھی (موجودہ ضلع جھل مگسی) کے علاقے کھاری کوناڑو سے تھا۔ لاشاری قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور تقریباً 1883 میں پیدا ہوئے۔ شاعری میں تصوف ان کا پسندیدہ موضوع تھا اور بلوچی کے علاوہ سندھی، سرائیکی، اردو، فارسی اور براہوئی میں بھی شاعری کی ہے۔ صوفی فیضل بلوچستان کے ایک اور نامور فارسی گو شاعر گل محمد زیب مگسی کے ہم عصر اور دوست تھے۔ وہ بلوچستان کے مشہور روحانی شخصیت اور سندھی کافی کے مقبول شاعر حضرت میاں رکھیل شاہ کے مرید اور خلیفہ بھی تھے۔ صوفی فیضل نے بلوچی زبان میں کافی کو متعارف کرایا[33]۔

ان کے ایک بلوچی کافی کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

پکھوں ترا من پھولاں ہندن تہی ہمے دا
وت ڈسھتے گوں رازامارا مکھن مکانا
فیضل دمے دماکن من من مہ کن کہ محبوب
وت پر دویں وتارا بِلکل دومی گمانا

ترجمہ:۔ (اے محبوب) میں تجھے کہاں کہاں تلاش کروں تیری جگہ تو یہاں ہے۔
حالانکہ تو خود ہی اپنا راز بتاتا ہے کہ تو لامکان ہے۔
فیضل کچھ دیر خاموش رہ خود نمائی نہ کر۔
کہ محبوب خود اپنا پردہ آپ ہے[34]

صوفی فیضل 1957 میں 74 سال کی عمر میں فوت ہوا۔ ان کے بلوچی کلام کو نامور محقق پیر محمد زبیرانی نے گلشن اشعار کے نام سے بلوچی اکیڈمی سے چھپوایا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے سندھی کلام کا دیوان بھی موجود ہے۔

صوفی فیض محمد فیضل کے ایک ہم عصر اور حضرت میاں رکھیل شاہ کے ایک اور مرید صوفی پہلوان فقیر کا نام بھی بلوچی عارخانہ شاعری میں معتبر خیال کیا جاتا ہے۔ ان کے والد بڈھو فقیر بلوچ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور بلوچی میں شعر کہتے تھے [35] مگر اب ان کا کلام دستیاب نہیں ہے پہلوان فقیر ۱۳۰۳ بمطابق ۸۷۔۱۸۸۶ میں پیدا ہوئے۔ شاعری ورثہ میں ملی 35 سال کی عمر میں میاں رکھیل شاہ کے ہاتھ پر بیعت کی بلوچی میں خوبصورت کافیاں دوھے اور سی حرفیاں کہی ہیں۔ ان کے سندھی اور بلوچی کلام کو ان کے ایک مرید فقیر غلام سرور نے میں سندھی رسم الخط میں دعوت العشق کے نام سے 1983 جیکب آباد سے شائع کرایا۔ پہلوان فقیر بھی شاعر ہفت زبان تھے۔ ان کی شاعری میں دیگر صوفی شعراء کی طرح تصوف کی چاشنی موجود ہے۔

محب مولا ترا بیارا
کناں ساہ دوست دیدار
خدا زانت کہ شف و روچیں
تئ سکیں دِلا چوشیں
خیال و دید دل گوشیں
منی دل تہی طلب دارا

ترجمہ:۔ اے محبوب مولا تجھے لائے
میری جان سے زیادہ عزیز میں تیری زیارت کروں
تیرے لیے میرے دل میں محبت کا جذبہ کار فرما ہے۔
خدا جانتا ہے کہ یہ سلسلہ روز و شب جاری ہے۔
میری نگائیں اور خیال آپ کی طرف متوجہ ہیں۔
اور دل بھی صرف تیرا ہی طلب گار ہے۔ (36)

ایک اور جگہ پہلوان فقیر کہتا ہے:

صورت پاک پر نئ عین حسن جمال
صفت چی کناں نی ہستین بے مثال
ہما مجلساں شموشغ محال
دِلا دم پہ دم یادِ گر یستغاں
بیا بیا کہ دلبر فقیر یستغاں

ترجمہ:۔ تیری پاک صورت پر میری نگائیں حسن تلاش کرتی ہیں۔
میں اس حسن بے مثال کی کیا تعریف کروں۔
ان محفلوں کو بھول جانا میرے لیے محال ہے۔
گھڑی گھڑی مجھے ان لمحات کی یاد ستاتی ہے۔
آہ میرے محبوب تیرے لیے میں نے فقر اختیار کی ہے۔

پہلوان فقیر تقریباً 55 سال کی عمر میں جمادی الثانی 1358 ہجری بمطابق 1939 میں فوت ہوئے اور ہر سال باقاعدگی سے ان کا عرس شاندار طریقے سے منایا جاتا ہے[37]۔

بلوچی عارفانہ شاعری کے دو اور نام قابل ذکر ہیں جن میں سے ایک مولوی محمد حسین عاجز ہیں اور دوسرا جلال پکیر (فقیر) ہے۔ مولوی محمد حسین عاجز کے ہاں صوفیانہ خیالات کے علاوہ نعت گوئی کا رنگ نمایاں ہے۔ براہوئی زبان کے معروف صوفی شاعر تاج محمد تاجل کے صوفیانہ کلام میں بلوچی کی بھی چند نظمیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ایک جگہ وہ کہتا ہے۔

گوں تو ہمیش انت مئے عرض سدا
نیت پیش انت من جوریں بد آ
مہ دئے دور باری کہ نادیدگ آ [38]

ترجمہ: اے رب میں ایک ہی گزارش کرتا ہوں
بھٹکے لوگوں کو ایک مہلت اور دے دے
لیکن نادیدہ کو دور و باری راس نہیں آتی

بلوچی ادب کے دیگر اصناف کی طرح بلوچی عارفانہ شاعری کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ البتہ بقول میر مٹھا خان مری قدیم بلوچی شعراء فلسفیانہ بھول بھلیوں سے ناواقف تھے لہذا انہوں نے سیدھے سادھے اور سپاٹ انداز میں عارفانہ

فکر و خیالات کو بلوچی میں بیان کیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ بلوچی عارفانہ شاعری فارسی ادب کی بجائے براہ راست سندھی ادب سے متاثر ہے۔ بلوچی عارفانہ شاعری کی ترقی و ترویج میں بلوچستان کے پہاڑی علاقوں کے شعراء کی نسبت میدانی علاقوں کے ذواللسان بلوچ شعراء نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ جنہوں نے نہ صرف بلوچی میں عارفانہ فکر و فلسفہ کو متعارف کرایا بلکہ کئی سندھی اصناف مثلاً کافی دوھے اور سی حرفی وغیرہ پر بھی طبع آزمائی کی ہے[38a]۔

بلوچی لوک نثر

لوک کہانیاں

بلوچی لوک نثری ادب کا بیشتر حصہ لوک کہانیوں پر مشتمل ہے۔ ان لوک کہانیوں کو درج ذیل تین اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ا۔ وہ لوک کہانیاں جو خالصتا بلوچ معاشرے میں تخلیق ہوئی ہوں۔ ایسی لوک کہانیوں میں عموماً ان حالات و واقعات اور مقامات کا ذکر ہوتا ہے جو اسی سرزمین سے متعلق ہوں۔ مثلا بزک وزنگلک، چاکر چارچم، اور شیر وروباہ وغیرہ۔

ب۔ وہ لوک کہانیاں جو ہمسایہ زبانوں سے بلوچی ادب میں ترجمہ ہوئی ہوں مگر انہیں بلوچی قالب میں ڈھالا گیا ہو۔ مثلا گل بکاولی، سوداگر زادہ، وغیرہ۔

ج۔ وہ لوک کہانیاں جو ترجمے کے زریعے دوسری زبانوں سے بلوچی لوک ادب کا حصہ بن گئی ہیں مثلا امیر حمزہ، شیرین فرہاد، لیلی مجنوں وغیرہ۔

لوک گیت

بلوچی زبان میں کہے گئے لوک گیت بلوچ طرز معاشرت، طور طریقے عادات وخصائل، رسم ورواج اور بلوچ ثقافت کے آہنہ دار ہوتے ہیں۔ ان گیتوں میں زندگی اور ادب ایک دوسرے سے اس طرح پیوستہ ہوتے ہیں کہ مختلف ادوار کی سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں کا عکس بھی ان میں نمایاں نظر آتا ہے۔ ان گیتوں

میں بلوچوں کی بہادری، حوصلہ مندی ، مہم جوئی، انتقام، باہوٹ اور قول کی پاسداری وغیرہ جیسی خصوصیات کا ذکر ملتا ہے ۔ یہ لوک گیت اس قدر میٹھے اور رسیلے ہوتے ہیں کہ لوگ انہیں زبانی ازبر کرکے سینہ در سینہ منتقل کرتے رہے ہیں۔ ان میں روزمرہ کی عام باتوں کو خوبصورت سادہ اور آسان انداز میں بیان کیا گیاہے۔

بلوچی لوک گیتوں میں خوشی اور غمی کی کیفیات اس انداز سے بیان ہوتی ہیں کہ سننے والا سمجھتاہے کہ یہ واقعات اس کے سامنے یا اس کے اپنے ساتھ پیش آئے ہیں۔

بلوچی لوک گیتوں کو درج ذیل اصناف میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔ لیلو، ہالو، دستانگ، (دستانغ) لاڑوک، لیلڑی، ڈیہی، لئیکو، نازینک ، زھیرونک، سپت، اور مودگ یاموتک وغیرہ میں تقسیم کیا جاتاہے جنہیں پہاڑوں میں چرواہے، میدانوں میں کسان اور گھروں میں کام کاج کرنے والی خواتین اکثر اوقات گاتی ہیں۔ بلوچی لوک گیت عوامی مزاج کے مکمل آئینہ دار ہیں۔ ان میں قبائل کے درمیان لڑائیوں کا حال، موسم اور ماحول سے متاثر شاعر کی دلی کیفیات اور چرواہوں اور کسانوں کے جذبات واحساسات شامل ہوتے ہیں(39)۔

ضرب الامثال

دیگر زبانوں کی طرح بلوچی ادب کا دامن بھی ضرب لامثال سے مالامال ہے جن میں سے اکثر ضرب الا مثال بلوچی زبان کے اپنے ہیں۔ بلوچی ضرب الامثال میں بلوچ سماج کے خدوخال اور بلوچ تہذیب و تمدن اور ثقافت کی تمام تر اچھائیاں اور خوبیاں نمایاں نظر آتی ہیں۔ مثلا

بلوچی		اردو
مور پہ چرپی ء رچیت		چیونٹی چرپی کی طرف بھاگتی ہے
سر بروت قول مہ روت		سر جائے مگر قول کی پاسداری ہو
مِر ہمائی ء پہ کہ پر تو مریت		جان اس کیلئے دو جو تمہارے لیے جان دے

اس کے علاوہ دوسرے وہ ضرب الامثال ہیں جو کسی اور زبان میں تخلیق ہو کر بلوچی میں ترجمہ ہوئے ہیں۔

محاورے

کسی بھی زبان کی لسانی اور ادبی وسعت کا پتہ اس زبان کے لوک ادب میں محاوروں کی تعداد، اقسام اور طریقہ تشکیل سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ بلوچی زبان میں بھی محاوروں کا واضح ذخیرہ موجود ہے صرف "دست "یعنی ہاتھ سے بننے والے چند محاورے درج ذیل ہیں۔

دست رسگ (ہاتھ آنا)

دست جنگ (ہاتھ لگانا، چھونا)

دست دہگ (پکڑائی دینا، مصافحہ کرنا)

دست مان کنگ (ہاتھ ڈالنا، کوشش کرنا)

تلمیحات

بلوچی لوک ادب میں تلمیحات کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے جن سے اکثر کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی سیاسی، تاریخی یا سماجی کہانی موجود ہے۔ جیسا کہ بالاچ بلوچی ادب کا رزمیہ شاعر ہونے کے علاوہ قدیم بلوچی تاریخ میں بھی ایک نمایاں کردار رہا ہے، عزت وناموس کی حفاظت اور مظلوم کی حمایت کے لئے وہ زندگی بھر برسرپیکار رہا۔ اور ایک مظلوم بیوہ سمی کی حمایت میں اس دور کے ایک ظالم سردار بیورغ سے بنر آزما ہوا اور بڑی کاوش اور جدوجہد کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ یہ کہاوت اس واقعے کے پس منظر میں کہی گئی ہے۔

آں مرد کہ کنا باہوٹاں
نیمروچ ء نہ ریشاں وہاباں

(جو شخص کسی کو باہوٹ (پناہ میں لینا) بناتا ہے وہ دوپیر کو ہے فکر ہو کر نہیں سوتا)۔

پہیلیاں

پہیلیاں بلوچی میں "چاچا"، "چاچ" بندوبوژ" اور "بجھارت" کہلاتی ہیں یہ منظوم اور منثور دونوں صورتوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلا

تہار انت چو گراگ ء
روژنا انت چو چراگ ء

(تاریک ہونے کے باوجود چراغ کی طرح روشن ہے)

جواب۔ آنکھ

ضرب الامثال، محاوروں اور پہلیوں سے متعلق اب تک جو کتابیں چھپ چکی ہیں۔ ان میں سے چند نمایاں کتب ذیل ہیں:۔

بتل گالوار	غوث بخش صابر	۱۹۷۹
گوشتن	گلزار خان مری	۲۰۰۵
گنجیں گوھر	رمضان بامری	۲۰۰۸
بتل گشتن	رشید وفا	۲۰۱۰
بتل گنج	غلام فاروق	۲۰۱۱
بتل گشتن گالبند	شے رگام	۲۰۱۲
بلوچی بتل	اسحاق رحیم	۲۰۱۷

نامور محقق غلام فاروق بلوچ کے مطابق کسی زبان کے ادب میں ضرب الامثال اور محاوروں کی عدم موجودگی کی مثال اس جسم کی سی ہے جس میں روح نہ ہو (40) بلوچی ادب میں بھی دنیا کی دیگر قدیم اور وسیع زبانوں کی طرح محاوروں، ضرب الامثال، تلمیحات، اور پہیلیوں کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔

حوالہ جات:

(1) نصیر میر گل خان" بلوچی رزمیہ شاعری " بلوچی اکیڈمی 1976 صفحہ 31,32۔
(2) نصیر میر گل خان "بلوچی رزمیہ شاعری" بلوچی اکیڈمی 1976 صفحہ 58۔
(3) نصیر میر گل خان "بلوچی رزمیہ شاعری" بلوچی اکیڈمی 1976 صفحہ 76,78۔
(4) ایضاً صفحہ 117۔
(5) ایضاً صفحہ 126۔
(6) نصیر میر گل خان" بلوچی رزمیہ شاعری" بلوچی اکیڈمی 1976 صفحہ 139۔
(7) ایضاً صفحہ 144۔
(8) نصیر میر گل خان "بلوچی رزمیہ شاعری" بلوچی اکیڈمی 1976 صفحہ 181۔
(9) پہلوان بلوچی میں شاعروں کے اشعار کو امن اور جنگ کے موقع پر گانے والے گویوں کو کہتے ہیں۔
(10) ڈیمز لانگ ورتھ، پاپولر پوئٹری آف بلوچیز والیم 1 بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1977 صفحہ 187۔
(11) ندیم غفار " بلوچی عشقیہ کہانیاں " بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1980 صفحہ 50,51,53۔
(12) کامل القادری " بلوچی ادب کا مطالعہ "بولان بک کارپوریشن کوئٹہ 1976 صفحہ 158,59۔
(13) بلوچ بشیر احمد "للہ و گراناز" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1970 صفحہ 54۔

(14)مری صورت خان ''عشقی قِصّہ ''بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1980 صفحہ 34۔
(15)مری مٹھا خان '' ثقافت و ادب ''وادی بولان میں بزم ثقافت کوئٹہ 1966 صفحہ 142۔
(16)ندیم عبدالغفار ''بلوچی عشقیہ کہانیاں'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1980 صفحہ 53۔
(17)نصیر میر گل خان ''دوستین وشیرین'' ادارہ ثقافت بلوچستان 1988 صفحہ 13۔
(18)بلوچ بشیر احمد '' للّہ و گراناز'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1970 صفحہ 41۔
(19)بلوچ بشیر احمد '' للّہ و گراناز'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1970 صفحہ 45,46۔
(20)ایضاً صفحہ 45۔
(21)بلوچی بشیر احمد'' للّہ و گراناز'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1970 صفحہ 45۔
Dr.Schimmel Annemoria SHAH LATIF OF BHIT (22)
compiled by Hamed Akhurd shah latif cultural centre
.Karachi page 245
(23) صابر عبدالرزاق " بلوچی عارفانہ شاعری ایک جائزہ " مجموعہ مقالات ''سبی نامہ 1993 حکومت بلوچستان صفحہ 154۔
(24)مری مٹھا خان '' سمو بیلی مست ''بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1991 صفحہ 119۔
(25)ایضاً صفحہ 123,142۔
(26)غور عبدالرحمٰن '' نغمہ کوہسار'' بلوچی اکیڈمی 1968 صفحہ 227۔
(27)مری گلزار خان ''جوانسال بگٹی'' بلوچی اکیڈمی 1969 صفحہ 25۔
(28)غور عبدالرحمٰن حوالہ متذکرہ بالا صفحہ 219۔
(29)سید ہاشمی '' بلوچی زبان و ادب '' کی مختصر تاریخ سید اکیڈمی کراچی 1968 صفحہ 126۔

(30)دشتیاری صبا(بلوچی ءاولین دستونک گوش) سنج سید اکیڈمی صفحہ 23۔
(31)سید ہاشمی "بلوچی زبان وادب" کی مختصر تاریخ سید اکیڈمی کراچی 1968 صفحہ 126۔
(32)سید ہاشمی " بلوچی زبان وادب" کی مختصر تاریخ سید اکیڈمی کراچی 1968 صفحہ 126۔
(33)صابر عبدالرزاق "بلوچی عارفانہ شاعری ایک جائزہ" مجلہ سبی 1991 صفحہ 158۔
(34)غور عبدالرحمٰن " نغمہ کوہسار" بلوچی اکیڈمی 1968۔
(35)فقیر غلام سرور دعوت العشق کلام پہلوان فقیر 1983 جیکب آباد صفحہ الف۔
(36)فقیر غلام سرور دعوت العشق کلام پہلوان فقیر 1983 جیکب آباد صفحہ 4,24۔
(37)فقیر غلام سرور دعوت العشق کلام پہلوان فقیر جیکب آباد 1983 صفحہ 22۔
(38)صابر عبدالرزاق "صوفیوں کے سنگ" زیر طبع ص ۱۰۵
(38a)صابر عبدالرازق " بلوچی عارفانہ شاعری ایک جاہزہ" مجلہ سبی 1993 صفحہ 161۔
(39)عبدالرحمان غور وشیں گفتار ادارہ ادب کوئٹہ ۱۹۶۹ ص۔ ۸۳
(40)شرف شاد لبزانک درکسی لبزانک وشعر بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۲۰۲۰ صفحہ ۱۳۹

باب سوم

جدید بلوچی ادب

(قیام پاکستان تا عہد جدید)

ا۔ بلوچی ادب کا دور جدید

ب۔ جدید نظم

1۔ غزل

2۔ نظم

3۔ آزاد نظم

4۔ نظم معریٰ

5۔ سانیٹ

6۔ ہائیکو

ج۔ جدید نثر

1۔ افسانہ

2۔ ڈرامہ

3۔ انشائیہ

4۔ ناول

5۔ سفر نامے

6۔ تنقید و تحقیق

بلوچی ادب کا دور جدید

جدید بلوچی شعری ادب کا آغاز غزل گوئی سے ہوتا ہے۔ سب سے پہلے بلوچی میں غزل کا آغاز کراچی کے (صوفی) ملنگ شاہ بابا (وفات ۱۳۴۴ ہجری بمطابق (26-1925 عیسوی) نے کیا[1]۔ قیام پاکستان 1947 کے بعد دو اور نمایاں بلوچ شعراء منظر عام پر آئے جو اس سے قبل پہلے اردو میں شاعری کرتے تھے ان میں سے ایک میر گل خان نصیر (وفات 1983) اور دوسرے محمد حسین عنقا (وفات 1977) تھے۔ میر گل خان نصیر پہلے نامور بلوچی شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے تھے جن کا 1953 میں پہلا شعری مجموعہ "گلبانگ" شائع ہوا جو بلوچی شاعری کا پہلا دیوان کہلاتا ہے[2]۔ اِسی دور کا ایک اور شاعر جو "مست ایں توار" (شعری مجموعہ) لیکر بلوچی شاعری کے افق پر نمودار ہوا وہ آزاد جمالدینی تھے۔ انجم قزلباش کے اردو ترجمے کے ساتھ آزاد جمالدینی کا شعری مجموعہ "مست ایں توار" بلوچی شاعری میں نئے فکر و انداز کا ایک خوبصورت اضافہ تھا[3]۔

۲۵ دسمبر ۱۹۴۹ کو ریڈیو پاکستان کراچی سے ۴۵ منٹ کے لیے بلوچی پروگراموں کے اجراء سے بلوچی ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا سید ظہور شاہ ہاشمی، بشیر احمد بلوچ، احمد زہیر، مُراد ساحر اور اسحاق شمیم جیسے اہل قلم ریڈیو پروگراموں میں باقاعدگی سے حصہ لینے لگے[4]۔ ۱۹۵۰ کے اوائل میں حسن تاج، ع۔ ص امیری اور مُراد ساحر نے بلوچی حلقہء ادب کے نام سے ایک ادبی ادارہ قائم کیا جس میں سید ہاشمی بھی شامل ہوئے۔ اس ادارے کی نشستوں کی صدارت غوث

بخش بزنجو، میر گل خان نصیر، شیر محمد مری، عبداللہ جان جمالدینی، آزاد جمالدینی اور غلام محمد شاہوانی جیسی شخصیات نے کی[5]۔

فروری 1951 میں بلوچ ایجوکیشنل سوسائٹی کراچی کی جانب سے مولانا خیر محمد ندوی کے زیر ادارت ماہنامہ اومان بلوچی کے اجراء سے جدید بلوچی ادب کے تخلیقی شہ پاروں کے منظر عام پر آنے کا ایک وسیلہ بنا اور بلوچستان اور کراچی کے جدید بلوچ شعراء کو اپنی تخلیقات منظر عام پر لانے کا ایک موقع ہاتھ آیا۔

جدید بلوچی ادب کی نوک پلک سنوارنے اور جدید بلوچی ادب کی سمتیں متعین کرنے میں سب سے اہم کارنامہ جون 1956 میں آزاد جمالدینی کی زیر ادارت کراچی سے شائع ہونے والا ماہنامہ " بلوچی " نے سرانجام دیا۔ تاہم اس سے قبل 1951 سے ماہنامہ " اومان " کراچی میں جدید اصناف نظم و نثر میں تخلیقات شائع ہوتی تھیں۔ جدید بلوچی ادب کے جو اولین نام سامنے آتے ہیں اُن میں میر گل خان نصیر، عبداللہ جان جمالدینی، آزاد جمالدینی، محمد حسین عنقا، میر شیر محمد مری، مُراد ساحر، مُراد آوارانی، مولوی محمد حسین حاجز، شوکت صحرائی، ملک محمد طوقی، اسحاق شمیم، عبدالرحمٰن غور، احمد جگر، فقیر محمد عنبر، آدم حقانی، مولوی خیر محمد نادر، قاضی عبدالرحیم صابر، انور شاہ قحطانی، نور محمد ہمدم، عبدالصمد امیری، دوست محمد بیکس، احمد زہیر، میر عیسیٰ قومی، عنایت اللہ قومی، آسکو جمالدینی، ملک محمد رمضان، عبدالباقی درخانی، حکیم خدائے رحیم، پیر محمد زبیرانی اور موسیٰ طور وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ 1950 اور 1970 کے درمیانی عرصے میں بلوچ ادیبوں کا ایک اور حلقہ بھی سامنے آیا۔ جنہوں نے بلوچی ادب کو نئے خطوط پر استوار کرنے کے لیے نثر و نظم کو ذریعہ اظہار بنایا ان میں چند نمایاں نام، امان اللہ گچکی، عبدالغفار ندیم، ڈاکٹر نعمت اللہ گچکی، صورت خان مری، عطاشاد، صدیق آزاد، محمد بیگ بیگل،

جی آر مُلّا، غلام فاروق بلوچ، ظفر علی ظفر، میر عاقل خان مینگل، حکیم بلوچ، غفار ندیم، مراد ساحر، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد بلوچی ادب میں جن لوگوں نے نام کمایا ان میں غنی پرواز، مبارک قاضی، بشیر بیدار، عزیز محمد بگٹی، منیر بادینی، ایوب بلوچ، صباء دشتیاری، اللہ بخش بزدار، عبدالصبور بلوچ، کریم آزاد، غوث بہار، ڈاکٹر علی دوست، ڈاکٹر واحد بزدار، عابد آسکانی، منیر عیسیٰ، ڈاکٹر فضل خالق اور مبارک قاضی شامل ہیں۔

بلوچی زبان و ادب کی تخلیق و تحقیق کے میدان میں نوجوان کسی سے پیچھے نہیں ہیں اور اس وقت ادبی لحاظ سے سب سے زرخیز خطہ مکران ہے جہاں سے بلوچی زبان کے ایسے نوجوان ادیب، محقق اور شاعر سامنے آرہے ہیں جن سے مستقبل میں بہت سی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ ان نوجوانوں میں سے ممتاز یوسف، عبیداللہ شاد، یونس سلمان، منیر مومن، زبیر مختار، نثار یوسف،، گل محمد وفا، طاہر حکیم، صادق صبا، ناگمان ہمدم، اسلم ابرار، اے آرداد، اکبر گمشاد، ڈاکٹر غفور شاد، اور شمیم نصرت، قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ جدید بلوچ ادیب اور شاعروں کی ایک طویل فہرست ہے جو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے دن رات محنت کر رہے ہیں۔

بلوچی ادب کی تاریخ میں جدید اصناف نظم و نثر میں سے تقریباً تمام اصناف پر اہل قلم طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان میں سے ہر صنف سخن کا الگ الگ مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:۔

ا۔ جدید نظم

غزل

بلوچی زبان میں غزل فارسی اور اردو شاعری کے توسط سے آیا ہے۔ بلوچی شاعری میں سب سے پہلا غزل گو شاعر بابا ملنگ شاہ کو مانا جاتا ہے جس کی بابت سید ظہور شاہ ہاشمی اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں:۔

''سب سے پہلے یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ یہ صنفِ سخن اس سے پہلے بلوچی زبان میں ناپید تھی اور سب سے پہلے غزل کا آغاز کراچی کے ملنگ شاہ بابا (وفات ۴۴ ۱۳ ہجری) (بمطابق 1925 عیسوی) نے کیا۔ ملنگ بابا سے پہلے بلوچی زبان میں کسی نے غزل کہی ہے ہم نے نہ کبھی سُنا ہے اور نہ ہی کلام دیکھا ہے۔'' (8)

سید ملنگ شاہ بابا کے علاوہ ایک اور غزل گو شاعر جلال پکیر سن وفات (۱۳۶۰ ہجری) کا ذکر صباء دشتیاری کرتے ہیں۔ بلوچی زبان کے ابتدائی غزل گو شعراء میں محمد اسحاق شمیم، عبدالحکیم حق گو، دوست محمد بیکس اور محمد حسین عاجز وغیرہ کے نام آتے ہیں مگر بلوچی غزل کو فن، فکر اور جدت و پختگی دلانے میں دو ناموں کا ذکر بڑا ضروری ہے جن میں سے پہلے سید ظہور شاہ ہاشمی اور دوسرے مُراد ساحر ہیں (9)۔

ان کے علاوہ بلوچی کے نامدار غزل گو شعراء میں آدم حقانی، عطاشاد، آزاد جمالدینی، محمد حسین عنقا، کریم دشتی، احمد زہیر، جی آر مُلّا، اکبر بارکزئی، پیر بخش پیرل، احمد جگر، عابد آسکانی، عبدالمجید گوادری، بشیر بیدار، اور احسن خارانی قابل ذکر ہیں۔

جبکہ جدید نوجوان شعراء میں سے ممتاز یوسف، گل محمد وفا، اسلم ابرار، اکبر گمشاد، عبید شاد، زبیر مختار، اے آر داد، اللہ بخش بزدار، منیر مومن وغیرہ اچھی غزلیں کہتے ہیں۔ یوں تو جدید بلوچی شاعری کا بیشتر حصہ نظم پر مشتمل ہے مگر بلوچی کے تقریباً تمام جدید شعراء نے غزل پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ بلوچی میں غزل کے لیے دستونک کی اصطلاع مروج ہے۔ جدید بلوچی غزل میں وہ تمام مضامین اور عنوانات پائے جاتے ہیں جو اس خطے کی دیگر زبانوں کے غزل میں پائی جاتی ہیں۔

بلوچی کے چند نامور شعراء کے غزلوں سے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

ہزاراں آتک انت شاعر ملنگ شاہ چہ حدا زانت انت
پر کے انچو پکت ہست اِنت نہ زانت اِلم ءُ غزل بند ایت
(بابا ملنگ شاہ ہاشمی)

کاگدیں لنٹ ، پَن و مزواک اِنت
دل کہ چُش حون ، حون چُش چاک اِنت

پشک کہ دِریت دوچکے لوٹیت
اِے گنوکی پہ وت چون چالاک انت
(محمد حسین عنقا۔ تواریخ 100)

گلا گوں نشتگن ہر دم نمازے نیست خیال
عجیب کرتہ منا قید و بند کافر عشق

بہ شاعری آ اگہ پہلوانے تہو احسن
ولے کہ کرتہ ترا چٹ ضعیف و لاگر عشق
(احسن خارانی۔ دیوان احسن46)

محبوب کی محبت میں بیٹھ کے مجھے نماز تک کا خیال نہیں آیا
اس کافر عشق نے مجھے عجیب قید و بند میں مبتلا کر دیا ہے
احسنؔ شاعری کے میدان میں تو تُو بڑا شہہ زور پہلوان ہے
مگر اس عِشق ظالم نے تجھے نہایت ضعیف ولاغر بنادیا ہے

اس وقت تک جن نمایاں بلوچی شعراء کے غزلوں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔ تاہم ایک گمان یہ بھی ہے کہ بلوچی زبان میں الف باہ کے اعتبار سے پہلا شعری مجموعہ یا شعری دیوان جو شائع ہوا ہے وہ عبدالغفور احسن خارانی کا شعری مجموعہ "دیوان احسن" ہے جو ۱۹۷۷ میں سیلرا شہداد کوٹ سندھ سے شائع ہوا ہے۔

1۔ توار	محمد حسین عنقا
2۔ انگروترونگل	سید ہاشمی
3۔ تراپکنیں ترمپ	سید ہاشمی
4۔ بریتگگیں بیر	سید ہاشمی
5۔ شگلیں شہجو	سید ہاشمی
6۔ سچکانیں سسّا	سید ہاشمی
7۔ پاہار	مُراد ساحر

8۔چیچال	مُراد ساحر	
9۔کلام صابر	قاضی عبدالرحیم صابر	
10۔شہم	ابراھیم عابد	
11۔آزگیں ریش	الفت نسیم	
12۔ماہ گل وماگوں	غنی غریب	
13۔پُرنگ	میر گل خان نصیر	
14۔ھینار	عباس علی زیمی	
15۔سوگند	بشیر شہزاد	
16۔زپتیں زھیر	احمد زہیر	
17۔پلگاریں دُروت	پیرل شئے تگری	
18۔اَرسیگیں چم	واحد بخش راہی	
19۔زِردءِ ارمان	عنایت قومی	
20۔دلءِ توار	عنایت قومی	
21 تخیلات غفور	عبدالغفور احسن	(احسن خارانی)
22۔غزلیات احسن	عبدالغفور احسن	(احسن خارانی)
23۔گفتار احسن	عبدالغفور احسن	(احسن خارانی)
24۔گلدستہ غفور	عبدالغفور احسن	(احسن خارانی)
25۔دیوان احسن	عبدالغفور احسن	(احسن خارانی)

نظم

نظم کو بلوچی اصطلاح میں جوک بھی کہتے ہیں۔ جدید بلوچی نظم کا دامن نہایت وسیع ہے جس میں زندگی سے متعلق تمام عنوانات پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔ تاہم بلوچی ادب میں زیادہ تر نظمیں وطن دوستی، معاشرتی مسائل، اور عوام کی بیداری سے متعلق عنوانات پر کہی گئی ہیں۔ ابتدائی دور کے مشہور نظم گو شاعروں میں میر گل خان نصیر، محمد حسین عنقا، آزاد جمالدینی، اکبر بارکزئی، عبدالمجید گوادری، آدم حقانی، سید ہاشمی قابل ذکر ہیں۔

گل خان نصیر کی ملی نظموں پر مشتمل کتاب "گلبانگ" جو 1959 میں "بلوچی زبانے دیوان" کی جانب سے شائع ہوئی بلوچی نظموں کی پہلی کتاب ہے۔ اس کے علاوہ بلوچی کے تقریباً تمام غزل گو شعراء خوبصورت نظمیں بھی لکھتے ہیں۔ بلوچی میں نظم پر مشتمل کتب میں سے چند مشہور درج ذیل ہیں۔

توار	محمد حسین عنقا
گلبانگ	میر گل خان نصیر
دُرون	آدم حقانی
ھینار	عباس زیمی
ہپت ہیکل	میر گل خان نصیر
حونءِ گوانک	میر گل خان نصیر
پُرنگ	میر گل خان نصیر
گوربام	بشیر بیدار
ھزام	بشیر بیدار
مادنیں راہ	ابراہیم عابد

گلیں باندات	عبدالمجید گوادری
گل گال	میر گل خان نصیر
گرئند	میر گل خان نصیر
شپ گروک	میر گل خان نصیر
دوستین وشیرین	میر گل خان نصیر
حملءِ جیئند	میر گل خان نصیر
الہان	عباس علی زیمی
بژن	جی آر مُلّا
گاریں کاروان	میر احمد دہانی
زرنوشت	مبارک قاضی
جالبار	غلام حسین شوہاز
رہشون	یار محمد نوکلاتی
شوہاز	فقیر محمد عنبر پنجگوری
گواتیءِ مات	ناکو تیاب دپی (اکرم صاحب خان)
روچاکئے کشت کنت	اکبر بارکزئی
رُژن	آزاد جمالدینی
ہشکیں رکھ سوزباں	اللہ بخش بزدار
گوہر قیمتی	اللہ بخش الجوہر واجہ
مستیں توار	آزاد جمالدینی
حقءِ توار	عبدالحق حقانی
مہریگ	اسماعیل ممتاز

ھوشام	حفیظ حسن آبادی
گلدستہ قومی	میر عیسیٰ قومی
گلبہار	میر عیسیٰ قومی
ترانگ	مولا بخش مشتاق
جدیمگ	مولا بخش مشتاق
مُرگ مینا	پکیر شیر جان (مرتب: عبداللہ جان جمالدینی)
ہرنکّ	ڈاکٹر رحمدل شاکر
دید گیں واھگ	کمال کہدائی
سرمچار	ملک جان سرمچار
نمرانین سرءِ شوہاز	ایوب بلوچ
ساقی کوثر	قافی عبدالرحیم صابر
باریگ	مولا بخش مشتاق
سالونکیءِ سہرا	مولا بخش مشتاق
نیکیں واھگ	ابراہیم عابد
شپ سہار اندیم	عطاشاد
روچ گر	عطاشاد
حون گوانک	گل خان نصیر
گلگال	گل خان نصیر
بانگواہ	ابراہیم عابد
چیہال	مراد ساحر
ءِمینار	عباس زیمی

زپتیں زہیر	آحمد زہیر
شچکانیں سسا	سید ہاشمی
گوربام	بشیر بیدار
روچاکئے کشت کنت	اکبر بارکزئی
درون	آدم حقانی
گلیں باندات	عبدالمجید گوادری
ھزام	بشیر بیدار
زرنوشت	مبارک قاضی
اجگیں کشار	غلام فاروق
زردمروارد	مراد ساحر
جلبار	غلام حسین شوہاز
گاریں کاروان	میر آحمد دہانی
ابتگیں شعرانی زیمر	منیر مومن
امبوہیں دروت	ظفر علی ظفر
تھتال	عباس زیمی
مسکیں میدان	عابد آسکانی
نشان	گل محمد وفا
ماہکان	بشیر بیدار
سریچک	انور صاحب خان
سنچاپیں رولہ	غنی پہوال
اوپار	کریم آذات

بلوریں تڑونگل	شمس الدین شمس
سرانی چراگ	اکبر بارکزہی
چراگیں بامسار	منیر دشتی
بے نام	ممتاز یوسف
گپتارانی شیوان	نصیر کبدانی

آزاد نظم

بلوچی ادب میں آزاد نظم کی ابتداء 1953 سے ہوتی ہے اور بلوچی کے نامور شاعر آزاد جمالدینی کی تصنیف ''مستیں توار'' میں آزاد نظم کہے گئے ہیں [6]۔ جن میں شاعری کا عنوان بلوچ عوام کے مصائب و آلام کی نشاندہی کر کے انہیں ظلم و جبر کے سامنے سینہ سپر ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ بلوچی زبان میں آزاد نظم میں مختلف موضوعات پر شاعری کی گئی ہے۔ مشہور آزاد نظم کہنے والے شعراء میں اکبر بارکزئی، عطاشاد، بشیر بیدار، ملک محمد طوقی، کریم دشتی، اشرف سربازی، غنی پرواز، اللہ بخش بزدار، واحد بزدار، رزاق نادر، صدیق آزاد، عباس زیمی، ہاشم شاکر، انور ساجدی، الفت نسیم، منیر مومن،، گل محمد وفا، فضل خالق، عید محمد عید، غلام حسین شوہاز وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ نامور شاعر اللہ بخش بزدار کے آزاد نظموں کا مجموعہ '' ہشکیں رکھ سوز بنت'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

بلوچی کے نامور آزاد نظم کہنے والے شاعر اکبر بارکزئی کی تصنیف اور عطاشاد کے آزاد نظموں پر مشتمل کتب آزاد نظم کی بہترین کتابیں ہیں۔

اکبر بارکزئی کی کتاب ''روچا کئے کُشت کنت'' سے آزاد نظم کا ایک نمونہ:۔

اے سنگانی شہر انت
اے سنگانی شہرے جہانے جتائیں
اِداسنگ مِیرِنت سَرنت بادشاہیں۔
اداسنگ ئے مہلوک وسنگ ئے دل اَنت
ھاکءِ مہلوک وموميں دل ئے دشمن اَنت (7)

(یہ پتھروں کا شہر ہے
اس پتھروں کے شہر کا الگ نظام اور جہان ہے
یہاں پتھر ہی میر اور پتھر ہی بادشاہ ہیں
یہاں پتھر کے لوگ ہیں اور ان کے دل بھی پتھر کے
جو مٹی کے انسانوں اور موم کے دلوں کے دشمن ہیں)

بلوچی زبان میں آزاد نظم کو رواج دینے میں آزاد جمالدینی اور عطا شاد کا نام سر فہرست ہے۔ جنہوں نے بیسویں صدی کے وسط سے بلوچی زبان میں آزاد نظم کو رواج دیا۔ آزاد نظم کہنے والے دیگر شعرا میں اشرف سربازی، اکبر بارکزئی، ملک طوقی، صدیق آزات، ہاشم شاکر، مبارک قاضی، منیر مومن، اللہ بخش بزدار اور ڈاکٹر فضل خالق کے نام آتے ہیں۔ جدید نظم گو شعراہ میں منظور بسمل، اسحاق خاموش، عارف عزیز، ناصر بشیر، اے آرداد، میر عمر میر، زبیر مختار، رزاق شہزاد، جاوید اسلم، ندیم اکرم، آدم نجیب اور قاسم فراز وغیرہ کے نام شامل ہیں جو مختلف موضوعات پر آزاد نظم کہہ رہے ہیں۔[8]

سانیٹ / ترائیل

سانیٹ ایک یورپی صنف سخن ہے جو اکثر چودہ (۱۴) بند پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس کا پہلا حصہ ۸ بند اور دوسرا حصہ ۶ بند پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس کے پہلے حصہ میں پہلا، چوتھا، اور پانچواں بند ہم قافیہ ہوتے ہیں جبکہ دوسرا، تیسرا، چھٹا، اور ساتواں ہم قافیہ ہوتے ہیں اِسی طرح دوسرے حصے میں پہلا اور چوتھا ہم قافیہ ہوتے ہیں اور دوسرا اور پانچواں، پھر تیسرا اور چھٹا ہم قافیہ ہوتے ہیں۔

بلوچی ادب میں سانیٹ بھی ہائیکو کی طرح دور جدید میں متعارف ہوا ہے اور ایک گمان یہ ہے کہ عطا شاد پہلا بلوچی شاعر ہے جس نے سانیٹ پر طبع آزمائی کی ہے۔ اس کے علاوہ جن دیگر بلوچ شاعروں نے ابتدا میں اس صنف سخن کی طرف توجہ دی ہے ان میں غنی پرواز، مبارک قاضی، پیرل شئے تگری، ڈاکٹر فضل خالق اور اکبر بارکزئی، وغیرہ کے نام آتے ہیں[10]۔ ان کے علاوہ جدید شعرا میں بھی کچھ شاعر اس نئی اصناف سخن پر طبع آزمائی کر رہے ہیں۔

تاہم بلوچی ادب میں ترائیل اور سانیٹ کی طرف اس طرح سے توجہ نہیں دی گئی ہے اور ان درآمد اصناف سخن پر بہت کم طبع آزمائی ہوئی ہے۔

ہائیکو

ہائیکو برصغیر پاک و ہند کے دیگر زبانوں کی طرح بلوچی زبان کا بھی سب سے جدید ترین صنف سخن ہے۔ جس میں ارکان کی ترتیب 5-7-5 ہوتی ہے۔ بلوچی جدید شاعری کی تاریخ میں اس وقت دستیاب معلومات کے مطابق جناب غنی پرواز پہلا شاعر ہے جس نے پہلی بار بلوچی زبان میں ہائیکو کی ابتداء کی[11]۔

بلوچی زبان میں ہائیکو لکھنے والا دوسرا شاعر غوث بہار ہے جس کے ہائیکو فنی اعتبار سے جاپانی صنف ہائیکو سے قریب تر ہیں۔ بلوچی زبان کے دیگر ہائیکو لکھنے والے شعراء میں سے چند نمایاں نام عطا شاد ،صباء دشتیاری ،ڈاکٹر علی دوست ، مبارک قاضی ، ابراہیم عابد ، اللہ بخش بزدار ، پیرل شئے تگری کی ہے۔ تاہم ان کے علاوہ نوجوان شعراہ کی ایک کثیر تعداد بھی اس صنف سخن پر طبع آزمائی کر چکا ہے ان میں عزیز پیشکانی ، باقر شاکر ، قیوم فنا ، رفیق عابد ، چراگ لاشاری ، عابد رحیم ، نصیر حلیم ، عمر بلوچ ،یعقوب دشتی ، حمل نصیر ،رشید لعل ، اللہ بخش دشتی ، ابراہیم واہگ ، ضامن مُراد ، جاسم شاہ ، داد محمد نیاز ، درجان محب ، نثار انجم ، نصیر احمد فقیر ، میر انور میر ، اور جہانزیب شامل ہیں[12]۔

پروفیسر صباء دشتیاری کے ہائیکو کا مجموعہ ”گنگدامیں سرزمین“ کے عنوان سے ہے جس میں ان کے بلوچی ہائیکو کے علاوہ ہائیکو کی مکمل تاریخ، پیش منظر ،اقسام اور فن پر مکمل بحث کی گئی ہے۔

بلوچی ہائیکو کے چند نمونے

گٹ گیر غم بیت
گل ووشی ءِ تج کن انت دل ءِ بوٹِگ
بہار وہتم بیت۔

(غوث بہار)

رون ءُ موش اِنت مئے کِشار
ثمرہ ہور اِنت عیش ونوش اِنت ہر کس ءَ
نئیت مئے بحت ءُ پلار
(غنی پرواز)

ترجمہ:۔ فصل کی کھٹائی شروع ہے۔
اس کے ساتھ ثمر بھی اور عیش ونوش بھی۔
اور ہماری قسمت میں بھوسہ بھی نہیں۔

یہاں یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ مشرقی بلوچی میں جعفر کی بلوچی کا ایک صنف سخن ڈیہی بھی اس نو آمد جاپانی صنف سخن ہائیکو کی طرح قدیم سے بلوچی میں مروج ہے۔ جس کا نمونہ درج ذیل ہے۔

دیر کنے کائے
یا ترا بازیں کار اِنت یا تو
ٹورءِ مِٹھائے (13)

ترجمہ: (دیر کر کے آتے ہو۔ یا تو تمہیں کام زیادہ کرنا پڑتا ہے
یا پھر سُست وسُبک گام ہو)

ب۔ جدید نثر

افسانہ نگاری

بلوچی زبان میں افسانہ نگاری کی تاریخ بہت زیادہ پرانی نہیں ہے بلکہ 1950 سے قبل اس صنف سخن کی طرف کوئی طبع آزمائی نہیں ہوئی، گماں ہے کہ بلوچی کا پہلا افسانہ محمد حسن بلوچ کلا کوٹی کا لکھا ہوا " بیوفا " ہے جو ماہنامہ اومان کراچی میں 1952 میں چھپا۔ اس کے علاوہ میر شیر محمد مری کا افسانہ گنوخ (پاگل) اور شی شلو (کرچھی) بلوچی کے ابتدائی افسانے خیال کیے جاتے ہیں۔ " غریبانی ننگ امیرانی گواچی " آسکو جمالدینی کا طویل افسانہ ہے جسے بلوچی کا پہلا ناولٹ بھی کہا جاتا ہے جو دراصل بلوچی کا ابتدائی طویل افسانہ ہے۔ ابتدائی افسانہ نگاروں میں شیر محمد مری، آسکو جمالدینی، صورت خان مری، نعمت اللہ گچکی، حکیم بلوچ، مرزا طاہر، غفار ندیم، انور شاہ، فقیر محمد عنبر، سید ظہور شاہ ہاشمی، کریم دشتی، وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ تاہم سید ہاشمی کے افسانوں کا مجموعہ "میر گند" اور مولا بخش مشتاق کا مجموعہ "سالونکی سہرا" افسانوں کے ابتدائی مجموعے خیال کیے جاتے ہیں۔

جدید بلوچی افسانہ نگاروں میں حفیظ حسن آبادی، غوث بہار، منیر بادینی، علی رئیسی، حنیف شریف، عارف وفا، ڈاکٹر علی دوست، ولید گربنی، ابراہیم عابد، طارق سخی، رفیق چاکر، عارف صمد، ارشاد زہیر، انام راز، عندلیپ گچکی، اے آر داد، ملا مراد، اسلم تگرانی، زاہدہ رئیسی، منیر مومن، یاسین مجروع، مقبول انور اور صادق مراد کے نام شامل ہیں ۔ اس وقت تک بلوچی زبان میں تقریباً نوے کے

قریب افسانوں کے مجموعے چھپ چکے ہیں اور اب تک سب سے زیادہ افسانوں کے مجموعے ۲۰۰۸ میں شائع ہوئے ہیں جن کی تعداد ۹ ہے۔[a13]

بلوچی کے جن چیدہ چیدہ افسانہ نگاروں کے افسانوں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں۔

1۔ سانکل	غنی پرواز
2۔ زرگوات	غوث بہار
3۔ حونءِ ہوشام	صباء دشتیاری
4۔ نودی شل	منیر عیسیٰ
5۔ کپند	منیر عیسیٰ
6۔ نوذور غام	عزیز محمد بگٹی
7۔ جالار	غنی طارق
8۔ میر گند	سید ہاشمی
9۔ گژن و آجوئی	الفت نسیم
10۔ گرکی تل	منیر عیسیٰ
11۔ اوبال	عباس علی زیمی
12۔ کرکینک	غوث بہار
۱۳۔ ٹپی ایں گورہام	حفیظ حسن آبادی
۱۴۔ آسے آسیب	صباد شتیاری
۱۵۔ واس	عباس زیمی
۱۶۔ گرمیں ساہگ	مراد ساحر

۱۷۔ دورش جتیں ارواح حکیم بلوچ
۱۸۔ مہر تیاب نعمت گچکی
۱۹۔ درانڈھ علی رئیسی
۲۰۔ تیراں دسک حنیف شریف
۲۱۔ بندیں چم کہ بند بنت غنی پرواز
۲۲۔ کاپر ڈاکٹر علی دوست بلوچ
۲۳۔ عنکبوت منیر بادینی
۲۴۔ تراتانی کشار عزیز بگٹی
۲۵۔ رژن اومان عندلیپ گچکی
۲۶۔ پر شتگین بان طارق سخی
۲۷۔ موتک ونازیک توار رفیق چاکر
۲۸۔ کوہ چراگ انت اسلم تگرانی
۲۹۔ دریادیما پیداک انت اے آر داد
۳۰۔ زرد پاہار علی جان قومی

ان کے علاوہ گزشتہ چند سالوں کے دوران چھپنے والے نہے افسانوں کے چند مشہور مجموعے درج ذیل ہیں۔

حنیف نام ڈاکٹر حنیف شریف علم وادب پبلشر کراچی
سفرءِ دمبر تگیں راہاں شرف شاد انسٹی ٹیوٹ آف بلوچیا
ڈیوا مترجم: ڈاکٹر عبدالصبور بلوچ آئی بی ایل سی، یونیورسٹی آف تربت
ہزار رنگیں دنیا طاہرہ احساس جتک بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

دیستگیں واب ءُنہ دیستگیں معنا۔ غنی پرواز بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

زردیں دید گانی ہوشام۔ ندیم بیوس بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

کلکشان۔ غلام نگوری (ترجمہ)بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

بلوچی زبان کے دیگر مشہور افسانہ نگاروں میں برکت علی، غوث بہار، الفت نسیم، منیر بادینی، غلام فاروق، ابراہیم عابد، قیوم سربازی، اسحاق محمود، فاطمہ مینگل، منصور بلوچ، لطیف عادل، انور قاضی، مولا بخش کے نام شامل ہیں۔

ان کے علاوہ نوجوان افسانہ نگاروں کی ایک کثیر تعداد بلوچی میں افسانہ نویسی کی صنف کو آگے بڑھا رہا ہے۔ یوں تو بلوچی افسانہ نگاری کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں تاہم اس میں روز بروز نہایت تیزی سے اضافہ ہو تا جارہا ہے۔ جدید بلوچی افسانہ ان تمام عنوانات اور موضوعات کا احاطہ کر رہا ہے جن سے بلوچ معاشرہ متاثر ہوا ہے۔

ڈرامہ نویسی

بلوچی زبان میں ڈرامہ نویسی کو درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔ اسٹیج ڈرامے

2۔ تحریری ڈرامے

3۔ ریڈیائی/ٹی وی ڈرامے

1۔ اسٹیج ڈرامے

بلوچی ادبی تاریخ میں ڈرامے کی ابتداء اسٹیج ڈراموں سے ہوتی ہے۔ 1940 کے دہائی میں لیاری کراچی میں ایک ڈرامیٹک سوسائٹی قائم ہوئی جس کے بانی اور سرپرست و سرگرم رکن جناب ہاشم رنگونی تھے۔ اس سوسائٹی کے لوگ شروع میں آغا حشر کاشمیری کے اردو ڈرامے اسٹیج کیا کرتے تھے بعد ازاں چند بلوچی مزاحیہ خاکے اور ڈرامے بھی اسٹیج کیے گئے۔ جن میں "زِرءِ لانچ" اور "ہپوک" قابل ذکر ہیں ان اسٹیج ڈراموں میں کردار کرنے والے فنکاروں میں خود ہاشم رنگونی کے علاوہ عمر بلوچ، عثمان بلوچ وغیرہ شامل تھے۔

بلوچی ادبی تاریخ کا پہلا مشہور اسٹیج ڈرامہ "شہناز" کے نام سے 1950 میں کراچی اور مستونگ میں اسٹیج کیا گیا۔ جس کی تحریر ماسٹر محمد مُراد آوارانی کی تھی۔ تاہم صورت خان مری کا خیال ہے کہ یہ اسٹیج ڈرامہ "شہدادو مہناز" تھا اور اِسے میر جمعہ خان نے لکھا تھا۔ (14) اس کے علاوہ کراچی، اور بلوچستان کے مختلف حصوں خاص طور پر مکران ڈویژن کے کئی شہروں جن میں گوادر، پسنی، تربت وغیرہ قابل ذکر ہیں ڈرامٹیک سوسائیٹیوں کے زیر اہتمام اسٹیج ڈرامے ہوتے رہتے ہیں۔

2۔ تحریری بلوچی ڈرامے

بلوچی زبان میں تحریری ڈراموں کا آغاز ماہنامہ زمانہ کراچی سے ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ "شہناز" ہی بلوچی کا پہلا ڈرامہ ہے جو اسٹیج پر پیش ہونے کے علاوہ تحریری صورت میں پہلی بار منظر عام پر آیا ہے۔ ان کے علاوہ بلوچی کراچی، اولس بلوچی کوئٹہ، زمانہ بلوچی اور دور جدید کے تمام رسائل میں وقتاً فوقتاً بلوچی ڈرامے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ بلوچی زبان کے ابتدائی نمایاں ڈرامہ نویس جن کے

ڈرامے مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں ان میں اکرم صاحب خان، م، طاہر، امان اللہ گچکی، عطاشاد، دوست محمد رئیس، نصیر شاہین، بشیر بلوچ، میر عاقل مینگل، عبدالحکیم بلوچ، اور غوث بخش صابر کے نام قابل ذکر ہیں۔

تحریری صورت میں بلوچی ڈراموں پر مشتمل پہلا مجموعہ عبدالقادر شاہوانی کا مرتب کردہ کتاب "گچین کسمانک" ہے جس میں انہوں نے ڈرامے سے متعلق تحقیقی مضامین کے علاوہ مختلف ڈرامہ نگاروں کے اولس بلوچی اور زمانہ کراچی وغیرہ میں شائع ہونے والے ڈراموں کو یکجا کر کے کتابی صورت دی ہے اور یہ کتاب 1993 میں بلوچی اکیڈمی کوئٹہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ تحریری ڈراموں پر مشتمل کتب جو زیادہ تر پاکستان ٹیلی وژن کوئٹہ سنٹر اور ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے نشر ہونے والے ڈراموں پر مشتمل ہیں درج ذیل شامل ہیں:۔

ڈرامہ	نصیر شاہیں
نغرہ درنز	غوث بخش صابر
مہر آشوب، انجیر پل	عبدالخالق
ہوشام	اختر ندیم و غوث بخش صابر
امشپی سرونزنالیت	منیر بادینی
برتاپ	ڈاکٹر علی دوست
حونانی ہارے دیما	عندلیب گچکی
دروازگ	رازق راج (ترجمہ) اوتاک مکران

3۔ ریڈیو ڈرامے

ریڈیو پاکستان سے بلوچی ڈراموں کا آغاز 1949 میں کراچی اسٹیشن سے ہوتا ہے۔ بلوچی کے ابتدائی ریڈیائی ڈراموں میں شہ مُرید، عمر ماروئی وغیرہ مشہور ڈرامے تھے۔ ان ڈراموں کو لکھنے اور ان میں کردار ادا کرنے والوں میں واجہ بشیر احمد بلوچ، اسحاق شیدی اور زبیدہ کے نام آتے ہیں [15]۔ اس کے بعد 17 اکتوبر 1956ء ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے بلوچی نشریات کے آغاز کے ساتھ ہی بلوچی زبان میں ڈرامے نشر ہونے لگے۔ ریڈیو پاکستان کوئٹہ کے ابتدائی ڈرامہ نگاروں میں بشیر احمد بلوچ، عطاشاد، امان اللہ گچکی، وغیرہ نے خوبصورت ڈرامے لکھے جن میں سے بشیر احمد بلوچ کا "بیبگر و گراناز"، عطاشاد کا "محراب خان شہید" اور امان اللہ گچکی کا "ہیلمٹ" یادگار ڈرامے خیال کیے جاتے ہیں۔

ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے گزشتہ ساٹھ ستر سالوں سے سینکڑوں بلوچی ڈرامے نشر کیے جا چکے ہیں نمایاں بلوچی ڈرامہ نویسوں میں غوث بخش صابر، اختر ندیم، عطاشاد، عبدالخالق بلوچ، نصیر شائین وغیرہ قابل ذکر ہیں اسی طرح ریڈیو پاکستان تربت اور ریڈیو پاکستان خضدار سے بھی بلوچی زبان میں ڈرامے نشر ہوتے رہتے ہیں۔

ٹی وی ڈرامے

پاکستان ٹیلی ویژن سینٹر کوئٹہ کا قیام فروری 1974 کو عمل میں آیا۔ اس مرکز نے اپنے قیام کے ساتھ ہی بلوچی زبان میں ڈراموں کا آغاز کیا۔ ان ڈراموں میں سیریل اور سیریز دونوں شامل ہیں۔ پاکستان ٹیلی ویژن کوئٹہ مرکز سے جو یادگار

ٹی وی ڈرامے نشر کیے گئے ہیں اُن میں سے اکثر ڈراموں کو بلوچی کے نامور ڈرامہ نویس عطاشاد، ایوب بلوچ، عبدالخالق بلوچ، اے۔ڈی۔بلوچ، نے تحریر کیا ہے۔ پاکستان ٹیلی ویژن کوئٹہ مرکز سے نشر ہونے والے مشہور ڈراموں میں، آروس، شہنشاہ، مہمان، سُہب، زرزوال، رژن، آسر، سستگیں ارمان، وغیرہ شامل ہیں۔

ان ڈراموں اور ان کے علاوہ دیگر ڈراموں پر مشتمل نمایاں کتب درج ذیل ہیں:۔

ڈرامہ	نصیر شاہین	۱۹۸۰	بلوچی اکیڈمی
گچین کسمانک	عبدالقادر شاہوانی	۱۹۹۳	بلوچی اکیڈمی
نگرہ درنز	غوث بخش صابر	۱۹۹۶	بلوچی اکیڈمی
مہر آشوب	عبدالخالق	۱۹۹۶	بلوچی اکیڈمی
انجیر پل	عبدالخالق	۱۹۹۶	بلوچی اکیڈمی
ہوشام	اختر ندیم، غوث بخش صابر	۱۹۹۷	بلوچی اکیڈمی
برتاب	ڈاکٹر علی دوست	۲۰۰۴	نوایے وطن
انشپی سرونزنالیت	منیر بادینی	۲۰۱۰	کالج پبلیکیشنز
حونانی ہارے دیما	عندلیب گچکی	۲۰۱۳	راہیٹس کونسل

ناول نگاری

جدید بلوچی ادب کی تاریخ میں ناول نگاری کا آغاز دیگر جدید اصناف کے مقابلے میں بہت دیر سے ہوتا ہے۔ بلوچی کے معروف ادیب و محقق جناب سید ہاشمی کو بلوچی زبان میں ناول کا بانی مبانی خیال کیا جاتا ہے۔ ان کا لکھا ہوا ناول ''نازک'' جو 1976 میں شائع ہوا بلوچی زبان کا پہلا ناول قرار دیا جاتا ہے۔ جس میں بنیادی کہانی بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں آباد لوگوں خاص طور پر ماہی گیری سے وابستہ لوگوں کی زندگی سے اخذ کی گئی ہے۔ ''نازک'' کے بعد افغانستان سے عبدالستار پُردلی نے ایک بلوچی ناول '' سوب'' کے نام ۱۹۸۵ میں شائع کیا۔ جس میں زبان اور لہجہ رخشانی بلوچی ہے۔ بلوچی زبان میں تیسرا ناول فقیر محمد عنبر نے '' نلءِ توار'' کے نام سے لکھا اور ۱۹۸۷ میں شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ بلوچی کے ممتاز ادیب منیر احمد بادینی نے ۱۹۹۳ میں '' ریکانی تہاہلک'' کے نام سے ایک مختصر ناولٹ شائع کیا جس میں ضلع چاغی میں ریت کے ٹیلوں کے درمیان آباد لوگوں کی طرز زندگی اور ان کے مسائل کو عنوان بنایا گیا ہے۔ اس ناولٹ کو 1994 میں اکادمی ادبیات پاکستان کی جانب سے ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ بلوچی ادب میں اس وقت تک سب سے کثیر التصنیف ناول نگار منیر بآحمد بادینی ہیں جن کی ستر کے قریب ناول مختلف موضوعات پر چھپ چکے ہیں۔ منیر بادینی کا پہلا ناول ''ریکانی تہاہلک'' ۱۹۹۳ میں جبکہ ان کا آخری ناول" مہر پجار" ۲۰۱۶ میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کے سب سے زیادہ ناول ۲۰۱۱ میں شائع ہوئے جن کی تعداد ۲۱ ہے۔ جبکہ ۲۰۱۲ میں بھی ان کے ۱۷ ناول شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے قریبا ۴۶ ناول ایک ہی ادارہ نیو کالج پبلیکیشنز کوئٹہ نے چھاپے ہیں۔ منیر بادینی رخشانی لہجہ

میں لکھتے ہیں اور ان کے ناول زندگی سے بھرپور ہوتے ہیں۔ منیر بادینی کے علاوہ دیگر مصنفین نے اب تک قریبا ۴۰ ناول لکھے اور شائع کیے ہیں۔ مینر بادینی کے بعد اب تک بلوچی میں سب سے زیادہ ناول فقیر محمد عنبر کے چھپے ہیں جن کی تعداد ۴ ہے۔ منیر بادینی کے چند مشہور ناولوں میں "بلے کہ ما بہ کپیت"، شالیں گلیں بازار، ہزاریں منزلانی پند، چلتن ءِ ساہگ دراج انت بیلاں، واہگانی ساہ کندن، حون ءِ گوانک، بہشت و دوزہ، ہار وہیسار اور جور و جواب شامل ہیں۔

بلوچی زبان کے دیگر ناول نگاروں میں غنی پرواز، ڈاکٹر فضل خالق، حنیف شریف، اسلم تگرانی، جاوید ارمان، عارف وفا، اے آر داد، زاہدہ رئیسی، مولا بخش بہار، شئے برکت، قابل ذکر ہیں۔

بلوچی کے دیگر شائع شدہ اہم ناولوں میں سے چند ناول درج ذیل ہیں:۔

مہرءِ ہوشام	غنی پرواز
ہر ساعت چکاس	ڈاکٹر فضل خالق
قہر آماچیں گدان	اسلم تگرانی
ترانگانی در	مولا بخش بہار
ماہکان	شئے برکت
بے راہیں منزل	علی جمعہ زامرانی
زندمان و زندان	جاوید ارمان
چاگرد	فقیر عنبر
ساہگ واترکنت	اے آر داد
پادءِ چیرءِ زمین	زاہدہ رئیسی
یلیں بچ	عارف وفا

چیزگ	خدابخش بزدار
تُنّ	نثار احمد
حانی	ظاہر دیدار

ان ناولوں کے علاوہ گزشتہ چند سالوں کے دوران چھپنے والے نمایاں ناولوں یا مشہور ناولوں کے تراجم پر مشتمل کتب میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:۔

دنزاں اوستے بالتہ	اصغر زہیر	ساچشت ادبی چاگرد
کس گبّرے پہ گاری ءِ نیل ایت جمال بلوچ		بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
نوزدہ سدءِ ہشتادءِ چار	ڈاکٹر بیزن سبا	(ترجمہ) بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
رید گیں سانکل	اشرف فضل	(ترجمہ) بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
مُروارد	ڈاکٹر علی دوست	(ترجمہ) بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
رام	عبداللہ شوہاز	(ترجمہ) بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
منی داغستان	فدا احمد	(ترجمہ) بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
چیپاں مور	عمر عثمان	(ترجمہ) بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

ان کے علاوہ بلوچی زبان میں ایک ضخیم ناول نامور حفیظ حسن آبادی نے ''گُلی'' کے نام سے لکھا ہے جو تا حال غیر مطبوعہ ہے۔ مطبوعہ ناولوں کے علاوہ بھی بلوچی کے ادیب اور قلمکار بلوچی زبان میں ناول کی کمی کو پورا کرنے کے لیے تگ و دو کر رہے ہیں۔

سفر نامہ

بلوچی ادب میں پہلا سفر نامہ منیر بادینی کی کتاب ''آ گہیں چمانی واب'' ہے جو ۱۹۹۶ میں بلوچی اکیڈمی نے چھاپی ہے۔ یہ ان کے امریکہ کے مطالعاتی دورے کے دوران کا سفر نامہ ہے۔ دیگر سفر ناموں میں ناکو عصا کی کتاب "وہدیکہ ما سر گپتیں" غنی پرواز کی کتاب "وابانی دوار" اور مجاہد بلوچ کی تین کتابیں "دردانی سفر گراں انت" حصہ اول و حصہ دوم جو مختلف ادیبوں کے مختلف ممالک، شہروں کے سفر ناموں پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا ایک اور سفر نامہ "چمانی سیمسر" بھی ہے۔

سفر نامے بھی دیگر جدید اصناف کی طرح بہت بعد میں مروج ہوا ہے اور اس صنف میں بھی اب تک بہت کم مواد یعنی صرف چار پانچ کتابیں دستیاب ہیں۔ اس کے علاوہ ناکو عصا، ڈاکٹر فضل خالق کا سفر نامہ "ہپت تلار" (۲۰۱۵)، غنی پرواز کا سفر نامہ "وابانی دوار (۲۰۱۶) مریم سلیمان کا سفر نامہ "بیانو کیں راہے شوہاز کنیں" (۲۰۱۶) اور مجاہد بلوچ کی کتاب " وہدے کہ ما سر گپتگیں" اس صنف میں شمار ہوتی ہیں۔ مجاہد بلوچ کی کتاب میں دیگر ادیبوں کے سفر نامے یکجا کیے گئے ہیں جو بلوچی کے مختلف اخبارات ورسائل میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے ہیں۔

تحقیق

بلوچی زبان پر یوں تو تحقیقات کا آغاز انگریز ماہر لسانیات اور محققین کی کاوشوں سے ہوتا ہے۔ جنہوں نے بلوچی زبان، اس کے لہجوں اور اس کی گرائمر پر

کام کیا۔ ایسے مستشرقین میں کیپٹن لیچ، گریرسن، میجر ای موکلر، جارج گلبرٹسن، جوزف الفن باہن، واے باہیجان، ڈاکٹر ایلا روسی، اور ڈاکٹر کارینہ جہانی قابل ذکر ہیں۔

بلوچی زبان میں تحقیقی مضامین کا آغاز " اومان" کراچی سے ہوتا ہے تاہم پر مغز تحقیقی مضامین لکھنے کا رواج 1954 میں کراچی سے شائع ہونے والا رسالہ "بلوچی" کراچی سے چل نکلا۔ میر عبداللہ جان جمالدینی، میر شیر محمد مری، عبدالرحمٰن غور، ع۔ ص۔ امیری، بابو عبدالکریم شورش، آزاد جمالدینی ابتدائی محققین میں شمار ہوتے ہیں۔ جن کے تحقیقی مضامین بلوچی ادب میں تحقیق کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ میر شیر محمد مری کا طویل تحقیقی مقالہ " بلوچی زبان و ادبءِ تاریخ" بلوچی زبان میں پہلا مختصر ادبی تاریخ بھی ہے۔ اسی طرح میر عبداللہ جان جمالدینی کا طویل تحقیقی مضمون " بلوچی زبانءِ اڑ" اور ع۔ ص۔ امیری، کا طویل مضمون "بلوچی زبان و ادب" ابتدائی تحقیقی مقالات خیال کیے جاتے ہیں بلوچی ادب میں دیگر جدید اصناف نثر کی طرح تحقیق و تنقید کی طرف بھی مقامی محققین نے بھی توجہ دی۔ بلوچی زبان کے ابتدائی محققین اور نقادوں میں میر شیر محمد مری، عبداللہ جان جمالدینی، عبدالرحمان پہوال، کریم دشتی، ع۔ ص۔ امیری، سید ہاشمی، غفار ندیم، میر مٹھاخان مری، بشیر احمد بلوچ، سردار خان گشکوری، حاجی عبدالقیوم، عبدالرحمٰن غور، صورت خان مری، میر عاقل خان مینگل، عبدالقادر شاہوانی، غوث بخش صابر، صباد شتیاری، اور حکیم بلوچ، جان محمد دشتی کے نام شامل ہیں جبکہ دور جدید مے محققین میں ڈاکٹر بدل خان، ڈاکٹر عبدلرزاق صابر، ڈاکٹر عبدالصبور، ڈاکٹر حامد بلوچ، ڈاکٹر واحد بزدار، ڈاکٹر ضیاالرحمان، ڈاکٹر رحیم مہر، ڈاکٹر زینت ثنا،

ڈاکٹر غفور شاد، فقیر شاد، ڈاکٹر نسرین گل، شرف شاد، اے آر داد، ڈاکٹر طاہر حکیم ، یار جان بادینی، صادق صبا، حمید اللہ بلوچ، وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

2000 کے بعد بلوچی زبان میں تحقیق کی طرف خصوصی توجہ دی گئی اور بلوچی کے تمام نمایاں ادیب اور شاعروں نے تخلیق کے ساتھ ساتھ تحقیق پر بھی توجہ دی اور ان کے تحقیقی مضامین اور کتب شائع ہوئی ہیں ۔ فی زمانہ بلوچی جدید محققین کی ایک کثیر تعداد ہے جو انفرادی حیثیت کے علاوہ بلوچی اکیڈمی، اور شعبہ بلوچی جامعہ بلوچستان، بلوچستان سٹڈی سینٹر جامعہ بلوچستان، انسٹی ٹیوٹ آف بلوچی لینگویج اینڈ کلچر IBLC جامعہ تربت اور شعبہ پاکستانی زبانیں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے زیر اہتمام بلوچی زبان و ادب پر جدید انداز میں تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

بلوچی زبان و ادب پر شروع سے جو تحقیقی کام ہوا ہے اور تحقیقی مواد پر مشتمل اب تک جو نمایاں کتب شائع ہوئی ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

بلوچی زبان وادب کی تاریخ	میر شیر محمد مری
بلوچی سیاہگءِ راست نبیسگ	سید ہاشمی
کہنیں بلوچی شاعری	میر شیر محمد مری
گلکار وچکنکار	صباء دشتیاری
دُر گال اقبال	میر مٹھاخان مری
وشین گفتار	عبدالرحمٰن غور
یات وسوگات	اکرم صاحب خان
سموبیلی مست	میر مٹھاخان مری
جوانسال	گلزار خان مری

نوکیں تام	غلام فاروق بلوچ
لعلءِ لقا	غوث بخش صابر
مکران و بلوچی لبزانک	گوھر حسن آبادی
بلوچی دزنمشتی کتاب	میر عاقل خان مینگل
نوخیں بلوچی شاعری	میر مٹھاخان مری
بلوچی دریاب	غوث بہار
نمیران	عنبر پنجگوری
کنزی	غفار ندیم
گنج ادب	الفت نسیم
شھسار دوبند اصغر درآمد	عابد آسکانی
کہنین بلوچی شاعری	ڈاکٹر عبدالصبور بلوچ
بلوچی کسہی لبزانک	ڈاکٹر عبدالصبور بلوچ
براہوجد گال جنگ شعر	الفت نسیم
کسہی لبزانکءِ گالبند	اے آر داد
ملا فاضل زندوازم	ڈاکٹر رحیم مہر
عہدی رنگ	ڈاکٹر غفور شاد
بلوچی کلاسیکل شاعری	ڈاکٹر غفور شاد
بتل گوشتن و گالبند	شے رگام
بلوچی نوکیں ردانکءِ سفر	ڈاکٹر طاہر حکیم
لبزانکی گالبند	اے آر داد
لبزانک چی ہے	منیر بادینی

ملا فاضل زند و ازم　　طاہر حکیم، صادق صبا

بلوچی کہنیں نظم　　اکبر گمشاد

چکاس رنگ　　فقیر شاد

لبزانک، در کسہی لبزانک و شعر　　شرف شاد

ان کے علاوہ گزشتہ چند سالوں میں چھپنے والی تحقیقی مواد پر مشتمل دیگر کتابوں میں چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:۔

بلوچ زالبولانی لبزانکیءَ چاگردی کرد	صبیحہ علی بلوچ	بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
راجدپترءِ فلسفہ ایں سما	امین ضامین بلوچ (فلسفہ)	بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
مکران بلوچانی سانگءُ وسورءِ رسم رواج	امان اللہ گچکی	بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
رنگانی بہار مستا گیں	بلال عاجز	بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
اَلامو	ڈاکٹر فضل خالق	بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
بلوچی قصہ	ثانیہ امجد	بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
سیمءَ او تاگ	فقیر شاد (میوزیک)	بلوچستان اکیڈمی تربت
کتاب شون	عرفان جمالدینی	بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
یاتانی دریاچول جنت	غنی پرواز (زندنامہ)	بلوچستان اکیڈمی تربت
کلمت ہماروچ کلمت اَت	غلام رسول کلمتی	ابا بگر کلمتی اکیڈمی پلیری
بلوچیءَ ناولءِ رجانک	یاسمین حلیم	بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
بلوچی عہدی شاعری	رِدبند: سنگت رفیق	بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

بلوچی زبان و ادب سے متعلق تحقیقی مضامین لکھنے والے ادیبوں اور قلمکاروں کی طویل فہرست ہے۔ تاہم ان میں سب سے نمایاں لوگوں میں عبداللہ جان جمالدینی، شیر محمد مری، عبدالرحمٰن غور، آزاد جمالدینی، بشیر احمد بلوچ، یوسف گچکی، غوث بخش صابر، پیر محمد زبیرانی، مومن بزدار، غفار ندیم، عزیز محمد بگٹی، میر گل خان نصیر، میر عاقل خان مینگل، جان محمد دشتی، آغا نصیر خان احمد زئی، ڈاکٹر نعمت گچکی، غلام محی الدین، ڈاکٹر بدل خان بلوچ، انور شاہ قحطانی، م۔ طاہر، حاجی عبدالقیوم، محمود خان مری، عبدالقادر شاہوانی، صدیق آزاد، غلام فاروق، غنی پرواز، نیک محمد بزدار، محمد خان مری، گلزار خان مری وغیرہ اپنے تحقیقی مضامین و مقالات کے ذریعے بلوچی زبان، ادب، تاریخ، ثقافت اور زندگی کے دیگر پہلوں سے متعلق گراں قدر معلومات مہیا کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بیرون ملک بھی کئی ملکی اور غیر ملکی ادیب، ماہر لسانیات، دانشور اور محقق بلوچی زبان و ادب سے متعلق تحقیقی کام کر رہے ہیں ان میں بطور خاص سویڈن میں ڈاکٹر کارینہ جہانی، جرمنی میں اگنس کورن، اٹلی میں پروفیسر اے۔ وی۔ روسی، ڈاکٹر ایلا روسی، ڈاکٹر بدل خان بلوچ، امریکہ میں ملک طوقی، ڈاکٹر ایلینہ بشیر، ڈاکٹر نیک محمد بزدار، برطانیہ میں ٹم فیرل، ڈاکٹر نصیر دشتی، روس میں ڈاکٹر موشکالوف، کینیڈا میں عبدالرحمان بارکر، میر عاقل مینگل، افغانستان میں عبدالرحمان پہوال، ترکمنستان میں محمد شیر دلوف، آرمینیا میں وایے بہائی جان، جاپان میں مورایاما کازایو کی اور فیمیکو، ایران میں عبدالصمد امیری، دکتور نور آحمد رئیسانی، خالقداد آریا، دکتور غفور جہاندیدہ کا بلوچی زبان و ادب پر انگریزی اور دیگر بین الاقوامی زبانوں میں تحقیقی کام انتہائی اہمیت کا حامل ہیں۔

عہد جدید کا ایک اہم تحقیقی کام جان محمد دشتی کا ہے جو انہوں نے بلوچی کے عہد قدیم کے معلوم کلاسیکل شعرا کی شاعری کو یکجا کرکے دو جلدوں میں "وش اتنت عہدی دور بلوچانی" بلوچی گچین شعرانی دپتر" کے نام سے بلوچی اکیڈمی کوئٹہ سے ۲۰۱۷ میں شائع کرایا ہے۔ جس کا ہر جلد قریبا ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں ملا فاضل کے عہد سے لیکر ماضی قریب کے ممتاز عہدی شعرا تک کے کلام کو یکجا کیا گیا ہے جو اس سے قبل مختلف کتابوں اور رسالوں میں چھپ چکے تھے یا بوڑھے لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے۔

دور جدید کے محققین اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ میں سے ڈاکٹر رزاق صابر، ڈاکٹر عبدالصبور بلوچ، ڈاکٹر رحیم مہر، ڈاکٹر زینت ثنا، ڈاکٹر طاہر حکیم، ڈاکٹر غفور شاد، ڈاکٹر گل حسن، ڈاکٹر روف، اے آر داد، ڈاکٹر رحیم مہر، ڈاکٹر حامد بلوچ صادق صبا، سنگت رفیق، ڈاکٹر ضیاالرحمان، کے علاوہ جلیل عارف، یار جان بادینی، شریف قاضی، شرف شاد، کے بی فراق، عبداللہ دشتی، ممتاز یوسف، عابد آسکانی، ابا بکر کلمتی اور دیگر کئی نام قابل ذکر ہیں۔

لسانیات سے متعلق موضوعات پر بھی کافی کام ہوا ہے۔ ابتدائی دور میں جن محققین نے کتابیں چھاپیں ان میں عبدالقیوم کا" بلوچی بومیا" پہلی کتاب ہے دیگر کتابوں میں آغا نصیر خان کی" بلوچی کار گونگ" اور "بلوچی لوز راہبند" جان محمد دشتی کی "بلوچی لبز بلد" غوث بہار کی "بلوچی لکھوڑ" اسحاق خاموش کی کتاب "بلوچی زبان و سیاھگ" طاہر حکیم کی مرتب کردہ "بلوچی زبان و زبان زانتی" اختر ندیم کی "نوشتہ راہبند" غلام رسول کلمتی کی "بلوچی گالریچ" کے علاوہ دیگر کئی محقیقین نے بلوچی انگریزی، بلوچی عربی، بلوچی اردو، بلوچی فارسی، بلوچی سندھی، بلوچی براہوہی، کے علاوہ بول چال کے مواد پر مشتمل کئی کتابیں چھاپی ہیں۔ ان کے

علاوہ غیر بلوچوں کو بلوچی سکھانے کے لیے بھی وقتاً فوقتاً کتابیں چھپتی رہی ہیں۔ ایسے مصنفین میں سید ہاشمی، اکبر بارکزئی، عبدالقیوم بلوچ، مولوی خیر محمد ندوی، آغا نصیر خان، عبدالصمد شاہین، صباد شتیاری، ڈاکٹر عبدالرزاق صابر، ڈاکٹر عبدالصبور بلوچ، ڈاکٹر غفور شاد، غنی طارق، لال محمد یاسمین کے نام آتے ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر عبدلرزاق صابر کی انگریزی کتاب Balochi Reader کو مشہور بین اقوامی اشاعتی ادارہ Dunwoody Press نے 1992 میں واشنگٹن امریکہ سے شائع کیا ہے۔

ان کے علاوہ سائنسی موضوعات پر بھی بلوچی اکیڈمی کوئٹہ نے 1980-82 کے دوران درجن بھر کتابیں چھاپیں ہیں جو زیادہ تر گلزار خان مری اور عبدالقادر شاہوانی کی ترجمہ اور مرتب کردہ تھیں۔ 1980-82 ہی کے دوران وفاقی وزارت تعلیم اسلام آباد کی مالی مدد سے مختلف موضوعات پر بلوچی اکیڈمی نے اپنے اس وقت کے ممبران سے درجنوں کتابچے ترجمہ کرواکے یا لکھوا کر چھاپی جن کے مصنفین میں پیر محمد زبیرانی، غوث بخش صابر، آغا نصیر خان آحمدزئی، عبدالقادر شاہوانی، نصیر شاہین، عبیدہ قیوم، عزیز محمد بگٹی، صورت خان مری، مومن بزدار، اور ملک محمد پناہ کے نام شامل تھے۔

ان کے علاوہ سیاسیات بلوچستان پر میجر مجید، اکرم دشتی، بہرام بلوچ کی کتابیں، فلسفہ پر منصور بلوچ اور امین ضامن کی کتابیں، توہمات پر ڈاکٹر عبدالصبور بلوچ کی کتاب "شرک وپال" قابل ذکر ہیں۔

نیز تاریخ بلوچ و بلوچستان پر جو کتابیں چھپی ہیں ان میں سردار خان کی کتاب "پلنگ و بلوچ" خورشید نگوری کی کتاب "بلوچی راجی آدینک" الفت نسیم کی "تاریخی نبشتانک" اور "راجدپتری چیدگ" وہاب آریا کی "مکران ءِ شش صد

سالی راجد پتر" اور عبدالرحمان پہوال کی کتاب" بلوچ کئے انت" قابل ذکر ہیں (مجاہد:۸۸:۲۰۲۰)

انفرادی ادیبوں اور علمی اور ادبی اداروں کے علاوہ جامعہ بلوچستان کا شعبہ بلوچی، اور میر گل خان نصیر چیئر، بلوچستان سٹڈی سینٹر، پاکستان سٹڈی سینٹر، یونیورسٹی آف تربت کا انسٹی ٹیوٹ آف بلوچی لینگویج اینڈ کلچر اور ملا فاضل چیئر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا شعبہ پاکستانی لسانیات کے زیر اہتمام سینئر پروفیسروں کی زیر نگرانی پی ایچ ڈی اور ایم فل کے سطح پر بھی بلوچی لسانیات اور زبان و ادب اور ثقافت کے مختلف پہلوؤں پر سائنسی انداز سے نہایت اہم تحقیقی کام ہو رہا ہے نیز یونیورسٹیوں کے ریسرچ جرنلز اور دیگر اداروں کے جریدوں میں بھی اہم تحقیقی مضامین شائع ہو رہے ہیں۔

تاہم دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ سائنسی خطوط پر تحقیقی مضامین کو مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ یوں تو زبان و ادب سے متعلق کافی مضامین و تحقیقات شائع ہوتی رہتی ہیں مگر بلوچی لسانیات سے متعلق مضامین کی تعداد قدرے کم ہے جس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

تنقید

بلوچی ادب میں تنقید نگاری کا آغاز 1950 کے بعد سے ہی ہوتا ہے اور ماہنامہ اومان کراچی کے 1951 کے شماروں میں شائع ہونے والا عبدالخالق آفاقی کا مضمون " شاعری ءِ حقیقت" پہلا تنقیدی مضمون کہلایا جا سکتا ہے۔ بلوچی زبان کے تمام اہم اخبارات، رسائل و جرائد میں وقتاً فوقتاً تنقیدی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ابتدائی نقادوں میں امان اللہ گچکی، کریم دشتی، ڈاکٹر نعمت گچکی، سید ہاشمی

، حکیم بلوچ، مٹھا خان مری، عبدالخالق آفاقی کے نام آتے ہیں۔ ان کے علاوہ جی۔ آر۔ مُلّا، محمد بیگ بیگل، غلام فاروق، میر عاقل خان مینگل، ع۔ ص۔ امیری، عابد آسکانی، صباء دشتیاری کا شمار بلوچی کے نمایاں ابتدائی نقادوں میں ہوتا ہے۔ فی زمانہ بلوچی زبان کے رسائل و جرائد میں تنقیدی مضامین اور تنقیدی مواد کا وافر ذخیرہ بنتا جارہاہے جن میں اکثر خوبصورت اور پر مغز تنقیدی مضامین ہوتے ہیں۔ نامور نقاد کریم دشتی کی کتاب "شر گداری" بلوچی تنقید کی پہلی کتاب ہے۔ اس کے بعد اسی نقاد کی ایک اور کتاب "مے لوزانک" ہے۔ لوزانکی ایرادگیری کے نام سے میر عاقل خان مینگل کی کتاب اور پروفیسر صباد شتیاری کی کتاب "گلکار وچکنکار" ابتدائی تنقید کی کتب میں شمار ہوتی ہیں۔

دور جدید کے نمایاں نقادوں میں پروفیسر اے آر داد جن کے اب تک تنقید سے متعلق سب سے زیادہ قریبا دس کتابیں چھپ چکی ہیں[16]۔ اس کے علاوہ، حکیم بلوچ، ڈاکٹر واحد بزدار، ڈاکٹر رحیم مہر، اصغر علی آزگ، صدیق آزات، نا گمان، رزاق نادر، شرف شاد اور مقبول انور کی تنقید سے متعلق کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

تاہم گزشتہ چند برسوں کے دوران تنقید کے موضوع پر چھپنے والی دیگر چند کتابیں درج ذیل ہیں:۔

زند بیت کہ لبزانک بیت	چندن ساچ	انسٹیٹوٹ آف بلوچیا
مُلّا فاضل ءِ شیئری اِزم	صادق صباء	آئی بی ایل سی، تربت یونیورسٹی
پیشر دءِ اِزم	شے چاکر	ساچشت ادبی چاگرد
گِدارءِ اِزم	شرف شاد	مُلا اسماعیل لبزانکی گل پُل آباد

طنز و مزاح

تحقیق و تنقید کے علاوہ بلوچی ادب میں ایک وافر ذخیرہ طنز و مزاح، انشائیہ اور رپورٹ تاژ تحریروں کی بھی ہے طنز و مزاح پر مبنی مجموعہ محمد بیگ بلوچ کا " شکل و ماجین، زنڈیں دپار، جوکر، برزخ" اکرم صاحب خان کے " بیل و الاو، گواتی مات، پد گوانک" طارق پیشکانی کا " تلک اور بابوکسہ کاریت" عابد آسکانی کا " منی نوکیا" دلوش داناکا " دروگ نہ بنداں" قابل ذکر ہیں۔ ان تمام کتابوں میں تفریح طبع کو مد نظر رکھ کر ادب تخلیق کیا گیا ہے۔ تاہم بلوچی طنز و مزاح میں محمد بیگ بلوچ کا اپنا ایک منفرد انداز اور مقام ہے۔

سوانح عمری

دیگر جدید اصناف کی طرح سوانح نگاری بھی ایک جدید صنف سخن ہے سوانح نگاری کا فن کسی فرد واحد کی شخصیت کو منظر عام پر اس طرح لانے کا نام ہے کہ اس کی فطرت اور سیرت کا کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہے۔ بلوچی ادب میں سوانح نگاری یا باہیوگرافی پر بہت کم مواد دستیاب ہے۔ پروفیسر عبداللہ جان جمالدینی کی کتاب "زندگی نامگ" پہلی کتاب ہے جسے ۲۰۱۵ میں شعبہ بلوچی جامعہ بلوچستان کی جانب سے شائع کیا گیا۔ اس کے بعد اس صنف پر دوسری کتاب منیر احمد بادینی کی "زندگانی نامک" کے نام سے ہے جو ۲۰۱۸ میں شائع ہوئی ہے۔

خاکہ نگاری

خاکہ نگاری بھی بلوچی ادب میں ایک نیا صنف ہے۔ اس صنف میں کسی شخصیت کے اہم اور منفرد پہلو کو اس طرح اجاگر کیا جاتا ہے کہ وہ اس شخصیت کی

جیتی جاگتی تصویر قاری کے ذہن میں نقش ہو۔ بلوچی ادب میں اس جانب خاص توجہ نہیں دی گئی ہے۔ ڈاکٹر فضل خالق پہلا شخص ہے جس نے اس جانب توجہ دی ہے اور ان کی کتاب "رستگیں نود" اس صنف پر پہلی کتاب ہے جس میں انہوں نے بلوچی کے بیس کے قریب نمایاں شخصیات مثلا آزاد جمالدینی، سید ہاشمی، صبا دشتیاری، بشیر بیدار، مبارک قاضی، ڈاکٹر علی دوست، واحد بندیگ، غوث بخش صابر، جان محمد دشتی، عطاشاد، شاہ محمد مری، بشیر بیدار، ایوب بلوچ، ظفر علی ظفر، غوث بہار، یوسف گچکی، یاسین مجروح اور رزاق نادر وغیرہ کی شخصیت کی عکس کشی کی گئی ہے۔(۱۸) تاہم بلوچی ادب میں اس جانب بھی توجہ دینے کی مزید ضرورت ہے.

انشائیہ نگاری

بلوچی ادب میں انشائیہ نگاری کے حوالے سی پہلی تحریر کمبر بلوچ کی "اے مکران انت" کے نام سے ۱۹۸۴ برمش نامی رسالہ میں چھپی ہے۔ اس کے علاوہ صباد شتیاری کے بہت سے انشائیہ مضامین ان کے کتاب "بے تواریءِ دریا" میں ۲۰۰۲ میں چھپے ہیں۔ تاہم کتابی صورت میں پہلی بار انشائیوں کا مجموعہ سنیاخالق کی کتاب "نود شنزاں" کے نام سے ۲۰۱۷ میں بلوچی اکیڈمی سے چھپی ہے۔(۱۹)

حوالہ جات:

1: سید ظہور شاہ ہاشمی ، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ ،سید ہاشمی اکیڈمی کراچی ، 1986، صفحہ ۱۲۵

2: عبداللہ جمالدینی، بلوچی شاعری میں جدید رجحانات، مجلہ سنج سید اکیڈمی کراچی، 1985، صفحہ ۱۸۴

3: ایضاً صفحہ ۱۸۴

4: کریم دشتی، انٹرویو، مجلہ سنج (بلوچی) سید اکیڈمی کراچی 1985، صفحہ ۱۳۷

5: ع۔ص۔ امیری، انٹرویو، ماہنامہ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، فروری 1987، صفحہ ۲۱۔۲۰

6: صباء دشتیاری، گلکار وچکنکار، بہار گاہ پبلیکشنز کراچی، 1990، صفحہ 75

7: اکبر بارکزئی، روچاکئے کُشت کنت، آزاد جمالدینی اکیڈمی کراچی، 1988، صفحہ 103

8: بصیر آحمد، ایم فل مقالہ "بلوچی لچہ بندات و دیمرئی "IBLC تربت یونیورسٹی ۲۰۱۶ صفحہ ۱۱۸

9: سید ہاشمی، بلوچی زبان وادب کی تاریخ، سید ہاشمی اکیڈمی کراچی، 1986، صفحہ 125

10: دشتیاری صباء، گلکار وچکنکار، بہار گاہ پبلیکشنز کراچی، 1990، صفحہ 47

11: صباء دشتیاری، گلکار وچکنکار، بہار گاہ پبلیکشنز کراچی، 1990، صفحہ 110

12: صباء دشتیاری، گلکار وچکنکار، بہار گاہ پبلیکشنز کراچی، 1990، صفحہ 119

13: صباء دشتیاری، گنگدامین سرزمین، غیر مطبوعہ، صفحہ 100

14: صباد شتیاری، گنگدامین سرزمین، عز مطبوعہ، 1994، صفحہ 86

a14: مجاہد بلوچ "کتاب گنج" شعبہ بلوچی جامعہ بلوچستان کوئٹہ 2021 صفحہ 75

15:عبدالقادر شاہوانی، گچین کسمانک، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1993، صفحہ 8
16:عطاشاد، کسمانک ماں بلوچی ءِ، مجموعہ مقالات سنج، سید اکیڈمی کراچی، صفحہ 196،
17:مجاہد بلوچ "کتاب گنج" شعبہ بلوچی جامعہ بلوچستان کوئٹہ، 2021 صفحہ 75
۱۸۔ شرف شاد ۲۰۲۰: صفحہ ۱۹۵
۱۹۔۔ شرف شاد ۲۰۲۰: صفحہ ۲۱۰

باب چہارم

بلوچی ادب اور ذرائع ابلاغ

ا: بلوچی صحافت کا تاریخی پس منظر

ب: ماہنامہ اومان کراچی

ج: ہفت روزہ نوائے وطن کوئٹہ

د: ماہنامہ بلوچی کراچی / کوئٹہ

ر: ہفت روزہ نوکین دور کوئٹہ

ڑ: ماہنامہ اولس بلوچی کوئٹہ

ز: دیگر اخبارات اور رسائل

س: ریڈیو پاکستان کراچی / کوئٹہ / خضدار / تربت

ص: لٹ خانہ

ط: بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

ع: پاکستان ٹیلی ویژن کارپوریشن کوئٹہ

غ: دیگر ادبی ادارے

بلوچی ادب اور ذرائع ابلاغ

بلوچی صحافت کا ایک مختصر جائزہ

بلوچی زبان یوں تو پندرہویں صدی عیسوی سے تحریری صورت میں موجود ہے۔ جس کی ابتداء فارسی رسم الخط سے ہوتی ہے جبکہ انیسویں صدی میں مکتبہ درخانی ڈھاڈر کے علماء بلوچی کو پشتو نما عربی رسم الخط سے لکھتے رہے ہیں۔ بعد ازاں قیام پاکستان کے بعد سے بلوچی دوبارہ فارسی رسم الخط سے لکھی جاتی رہی ہے۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی بھی زبان اور ادب کی ترقی و ترویج میں صحافت کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔ بلوچی زبان و ادب کی ترویج میں بھی بلوچی صحافت نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ بلوچی زبان میں صحافت کی تاریخ کو درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(ا) بلوچستان سے شائع ہونے والے اخبارات اور رسائل

(ب) بلوچستان سے باہر شائع ہونے والے اخبارات اور رسائل

(ج) بیرون ملک شائع ہونے والے اخبارات ورسائل

بلوچستان سے بلوچی زبان میں صحافت کا آغاز سریاب کوئٹہ سے شائع ہونے والا ماہنامہ " معلم " سے ہوتا ہے جو مولانا عبدالباقی درخانی کی ادارت اور عبدالرحمٰن غور کی معاونت میں 1950ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔ گیارہ سال جاری و ساری

رہنے کے بعد 1961ء میں نئے پریس آرڈیننس کی وجہ سے بند ہوا۔ یہ ماہنامہ یوں تو ایک اردو دینی مجلہ تھا مگر اس کے آخری چند صفحات پر اکثر بلوچی، براہوئی اور پشتو میں بھی مضامین شاعری اور خبریں چھپتے تھے۔ 1953ء بلوچی صحافت کی تاریخ میں ایک اہم سال ہے جب اس ایک ہی سال کے دوران بلوچی کے دو اخبار ہفت روزہ" نوائے وطن" اور پندرہ روزہ" ساربان" مستونگ کا آغاز ہوا۔ 1953ء میں شائع ہونے والا دوسرا اخبار ہفت روزہ" ساربان" مستونگ ہے جسے نامور صحافی ملک محمد رمضان بلوچ نے مستونگ سے شائع کرانا شروع کیا جو شروع میں پندرہ روزہ تھا۔ اور بلوچی میں شائع ہونے والا یہ اخبار جنوری 1991ء میں ملک محمد رمضان کی وفات کے بعد اب ان کے بیٹے بالاچ بلوچ کی زیر ادارت شائع ہو رہا ہے۔

بلوچستان میں بلوچی صحافت کی تاریخ" اولس" بلوچی کوئٹہ کے ذکر کے بغیر نامکمل رہ جاتی ہے" اولس" کا آغاز دسمبر 1961ء میں کوئٹہ سے ہوا۔ سرکاری سرپرستی میں شائع ہونے والے اس رسالے میں حکومت کی ترقیاتی کاموں اور منصوبوں کے پروپیگنڈہ کے علاوہ بلوچی میں منتخب شاعری، افسانوں، ڈراموں کے علاوہ ادبی اور تحقیقاتی مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس رسالے کو شروع میں محکمہ اطلاعات حکومت پاکستان اور اس کے بعد بارڈر پبلسٹی آرگنائزیشن BPO اور پھر پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ PID حکومت پاکستان شائع کراتا رہا۔" اولس" بلوچی کے پہلے ایڈیٹر امان اللہ گچکی تھے بعد ازاں جناب حکیم بلوچ، عبدالغفار ندیم، ملک محمد طوقی، صورت خان مری، عبدالقادر شاہوانی، عبدالرزاق صابر، پیر محمد زبیرانی اور سید اکبر شاہ بلترتیب اس اہم بلوچی رسالے کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ مگر گذشتہ چند دہایوں سے بلوچی صحافت کی تاریخ کا یہ اہم ادبی اور تحقیقی رسالہ حکومتی عدم دلچسپی اور عدم توجہ کی بنا پر بند پڑا ہوا ہے۔

بلوچی صحافت کی تاریخ میں ’’ بلوچی ‘‘ کراچی ایک اہم رسالہ ہے جسے جون 1956ء میں کراچی سے آزاد جمالدینی اپنے بھائی عبد اللہ جان جمالدینی اور مراد ساحر کی معاونت میں شائع کرتے رہے۔ مگر دو سال جاری رہنے کے بعد جون 1958ء میں مالی وسائل کی کمی کی سبب اِسے بند کرنا پڑا۔ تاہم اپریل 1978ء میں بلوچی کو دوبارہ کوئٹہ سے آزاد جمالدینی نے شائع کرانا شروع کیا جو ان کی وفات 1981ء تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ آزاد جمالدینی کی وفات کے بعد "بلوچی" بند ہوا مگر اس اہم ادبی رسالے کو آزاد جمالدینی کے ایک اور ہم نام عبدالواحد بندیگ نے ستمبر 1986 سے سہ بارہ شائع کرانا شروع کیا جو تاحال باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔

کوئٹہ سے بلوچی میں شائع ہونے والے دیگر اخبارات ورسائل میں سے دو اہم رسالے ’’ زمانہ بلوچی ‘‘ اور ’’ چاگرد ‘‘ ہیں۔ زمانہ بلوچی کو بلوچستان کے نامور صحافی سید فصیح اقبال شائع کراتے تھے۔ جبکہ ’’ چاگرد ‘‘ جو 1990ء سے شائع ہو رہا ہے اِسے جناب ایوب بلوچ کی نگرانی میں اسلم بلوچ شائع کرا رہے ہیں۔ دونوں خالصتاً ادبی رسائل ہیں۔ نوشکی سے ایک اور اہم بلوچی رسالہ "بلوچی لبزانک" کے نام سے معروف صحافی یار جان بادینی زند اکیڈمی نوشکی کی جانب سے گذشتہ دو دہاہیوں شائع کرا رہا ہے۔ جس کے خاص شمارے تاریخی اور اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

بلوچستان کے جن اردو اخبارات اور رسائل میں بلوچی مضامین اور خبریں وغیرہ شائع ہوتے رہتے ہیں ان میں "زمانہ کوئٹہ ‘‘ ، ’’ اعتماد کوئٹہ ‘‘،روزنامہ ’’ شال کوئٹہ ‘‘ اور ’’ صبح نوچاغی ‘‘ وغیرہ شامل ہیں۔ روزنامہ ’’ شال کوئٹہ ‘‘ کے ایڈیٹر ڈاکٹر نعیم صادق سمالزئی اور ’’ صبح نوچاغی ‘‘ کے بھی نعیم سمالزئی ہیں۔

بلوچستان میں کوئٹہ کے بعد حب اور تربت اہم مراکز ہیں جہاں سے بلوچی میں رسائل شائع ہو رہے ہیں۔ حب (بلوچستان) سے ایک معیاری بلوچی ادبی پرچہ لبزانک کے نام سے 1991ء سے شائع ہو رہا ہے جس کے ایڈیٹر شکیل بلوچ اور معاونین میں فضل الرحمان اور عبدالواحد کے نام آتے ہیں، نہایت معیاری اور دیدہ زیب ادبی پرچہ رہا ہے۔ بلوچی زبان کا اہم ادبی مرکز تربت اب صحافتی مرکز بھی بنتا جارہا ہے۔ جہاں سے ایک نہایت معیاری بلوچی ادبی رسالہ ''آساپ'' کے نام سے اکتوبر 1992ء سے شائع ہو رہا ہے جس کے ایڈیٹرز میں ممتاز یوسف اور عبید شاد کے نام آتے ہیں۔ تربت ہی سے دوسرا ادبی پرچہ جو 1993 سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جو ملا فاضل اکیڈمی تربت کے زیر اہتمام ماہنامہ '' زندمان'' ہے۔ اس کا پہلا شمارہ مارچ 1993ء کا شمارہ ہے۔ اس رسالے کا گیٹ اپ اور معیار بھی دوسرے معیاری بلوچی پرچوں کی طرح ہے۔ اس کے ایڈیٹر اکبر علی اکبر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ جو اہم اخبارات، رسائل و جرائد صوبہ اور ملک کے مختلف شہروں سے بلوچی یا بلوچی اور اردو میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں ان میں سے چند نمایاں اخبارات و رسائل درج ذیل ہیں:۔

گچین	کراچی	بلوچی ادبی دیوان	۱۹۶۰
بولان نامہ	کوئٹہ	بی ایس او	۱۹۶۷
زمانہ بلوچی	کراچی، کوئٹہ	فصیح اقبال،	۱۹۶۸، ۱۹۷۷
سوغات	کراچی	خیر محمد ندوی	۱۹۷۸۔ ۲۰۰۰
ساچان	کراچی	چلتن پبلشرز	۱۹۷۹
شہم	کراچی	بنگل پبلشرز	۱۹۸۰
آدینک	تربت	یوتھ کلب آبسر	۱۹۸۰

برمش	کراچی	سید اکیڈمی	۱۹۸۴
سنج	کراچی	سید اکیڈمی	۱۹۸۵
برانز	کراچی	یار محمد یار	۱۹۸۶
گوانک	تربت	عبد السلام	۱۹۸۷
بامسار	کراچی	تاج محمد طاہر	۱۹۸۸
ماہیکان	کراچی	رحیم بخش آزاد	۱۹۸۸
منزل	کراچی	یار محمد یار	۱۹۸۸
جالار	گوادر	سید اکیڈمی	؟
رژن	کراچی	یار محمد یار	۱۹۸۹
برمش	کراچی	سید اکیڈمی	۱۹۸۳
چاگرد	کوئٹہ	امان اللہ	۱۹۸۹
سمین	کوئٹہ	مومن معراج	۱۹۸۹
بلوچی لبزانک	حب	شکیل بلوچ	۱۹۹۰
بانگوا	کیچ	فاضل اکیڈمی	۱۹۹۲
آساپ	تربت	عبید شاد	۱۹۹۲
زندمان	تربت	ابراہیم عابد	۱۹۹۳
مستاگ	کراچی	واحد بلوچ	۱۹۹۳
ھزام	کولواہ	صادق صبا	۲۰۱۵
آدینک	صادق صبا	تربت	۲۰۱۷
بلوچیہ	کوئٹہ	حکیم بلوچ	۲۰۰۳
نیوان	پنجگور	عزت اکیڈمی	۲۰۱۱

چراگ	نوشکی	آغازاہد	۲۰۰۵
سچکان	گوادر	راشد سید	۲۰۰۴
مروارد	گوادر	سنج ادبی چاگرد	۲۰۰۷
رژن	بلیدہ	رژن سکول بلیدہ	۲۰۱۴
گدروشیا	کوئٹہ	حلیم صادق	۱۹۹۰
بلوچی زند	نوشکی	یار جان بادینی	۱۹۹۹
چمگ	نصیر آباد	رفیق اعجاز	۲۰۰۰

(بحوالہ: ظفر قادر ۲۰۲۱: ۸۶-۹۱) (دشتیاری: ۲۰۰۳)

ان کے علاوہ گزشتہ چند برسوں میں درج ذیل بلوچی رسالے اور ادبی مجلے بلوچستان کے مختلف علاقوں خاص طور پر کوئٹہ، مکران اور کولواہ وغیرہ سے چھپتے رہے ہیں یا چھپ رہے ہیں ان میں سے چند نمایاں رسائل وجرائد کے نام درج ذیل ہیں:۔

تاکبند ' گِدار ' پسنی	منیر مومن
تاکبند ' اِزم ' کولواہ	صادق صباء
تاکبند ' اِستین ' کیچ	احمد جان ہمراز
تاکبند ' الکاپ ' آواران	مہر اللہ مہر
تاکبند ' اوتاک ' مکران	صادق صباء
سے ماہی " دڑد ' گوادر	نزیر داود، کمک شونکار اے آرداد
سے ماہی ' چمّگ ' ناصر آباد	رفیق عاجز
تاکبند ' ڈرانگاز ' بل نگور	شرف شاد
تاکبند ' ہیسکار ' کولواہ	نذر دوست

تاکبند ' آدینک ' تربت	بلوچستان اکیڈمی تربت
تاکبند ' کسّہ ' گوادر	اے آرداد
تاکبند ' ساچ ' دبئ	اصغر زہیر
تاکبند ' ارجل ' پُل آباد	جمیل مہراب
تاکبند ' گوناپ '	سلمان ابراھیم
تاکبند ' دژین ' شال	عنقا پبلیکیشنز ، شال
تاکبند ' سنچ ' گوادر	علی واھگ
ماہتاک ' سچکان ' گوادر	جمیل امام
ماہتاک ' کلمت ' گوادر	رحیم مہر
ماہتاک ' سسّا ' پنجگور	مُلّا مراد
ماہتاک ' گوانک ' گوادر	طاہر حکیم
ماہتاک ' وفاء چراگ ' گیشکور	شوکت شاہین

(بشکریہ صادق صبا IBLC جامعہ تربت)

ادبی اداروں کے علاوہ یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے بلوچی یا انسٹی ٹیوٹ سے بھی تحقیقی جرنل شائع ہو رہے ہیں جن میں بلوچستان یونیورسٹی کے شعبہ بلوچی سے سالانہ رسالہ "ہنکین" کے نام سے 2009 سے شائع ہو رہا ہے جبکہ تربت یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف بلوچی لینگویج اینڈ کلچر IBLC سے بھی سالانہ تحقیقی جرنل "میری" کے نام سے 2014 سے شائع ہو رہا ہے۔ جو ایچ ای سی سے منظور شدہ ہیں۔ ان کے علاوہ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ کی جانب سے بھی ایک تحقیقی مجلہ

"بلوچستانیات" کے نام سے 2012 سے شائع ہورہا ہے۔ان تینوں تحقیقی مجلات میں بلوچی کے ساتھ ساتھ اردو اور انگریزی کے وہ مضامین بھی چھاپے جاتے ہیں جو بلوچی زبان، ادب، اور بلوچ تاریخ اور ثقافت سے متعلق ہوں۔

علاوہ ازیں بلوچستان کے تمام نمایاں ڈگری کالجوں سے جو میگرین شائع ہوتے رہے ہیں ان میں اردو کے ساتھ ساتھ بلوچی میں بھی مواد چھپتا رہا ہے۔ان میں ڈگری کالج کوئٹہ سے "بولان نامہ"، گرلز ڈگری کالج کوئٹہ سے "زرغون"، ڈگری کالج خضدار سے "قیقان"، ڈگری کالج پنجگور سے "رخشان"، ڈگری کالج تربت سے "کیچ" ،ڈگری کالج مستونگ کا میگزین، ڈگری کالج سبی کا میگزین نمایاں رہے ہیں جن میں اردو اور انگریزی کے علاوہ بلوچی میں بھی مضامین، افسانے اور شاعری چھپتے رہے ہیں اور چھپ رہے ہیں۔

بیرون بلوچستان شائع ہونے والے اخبارات ورسائل

بلوچستان کے علاوہ بیرون بلوچستان خاص طور پر کراچی سے مختلف اوقات میں مختلف اخبارات ورسائل بلوچی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن میں سب سے پہلا بلوچی ماہنامہ " اومان "کراچی ہے جو " بلوچ ایجوکیشنل سوسائٹی کراچی" کے زیر اہتمام فروری 1951ء سے شائع ہونے لگا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا خیر محمد ندوی تھے۔ بلوچی صحافت کے علاوہ بلوچی ادب کی تاریخ میں بھی اس اہم بلوچی مجلے کا بڑا کردار رہا ہے۔ مذکورہ رسالہ کافی عرصہ جاری رہنے کے بعد 1962ء میں بند ہوا اور اِسی ایڈیٹر نے ایک اور بلوچی رسالہ " سوغات " کا اجراء اگست 1978ء سے کراچی سے کیا جو اب تک باقاعدگی سے کراچی سے شائع ہو رہا ہے۔ " سوغات" ایک ادبی پرچہ ہونے کے علاوہ دینی اور سماجی مسائل پر بھی تحریریں شائع کرتا رہا ہے۔ کراچی ہی سے ایک اور پندرہ روزہ " صدائے بلوچ" کا ذکر بھی ضروری ہے جو بلوچی کے نامور اہل قلم قاضی عبدالرحیم صابر اپنی وفات ستمبر 1991ء تک شائع کراتے رہے۔ مارچ 1988ء میں " بلوچی ادبی سوسائٹی کراچی" کی جانب سے ایک ماہنامہ "بامسار" بلوچی کا آغاز ہوا مگر صرف ایک شمارہ شائع ہونے کے بعد بند ہوا۔ کراچی ہی سے دو اور ادبی رسالے بلوچی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن میں سے ایک "تپتان" کے نام سے ایک سماجی ادارہ شائع کرتا رہا ہے جبکہ دوسرا " بہار گاہ" کے نام سے۔ " تپتان" کے ایڈیٹر غلام محمد بلوچ اور " بہار گاہ" کے ایڈیٹر عابد آسکانی اور معاون غلام محی الدین معیار رہے ہیں دونوں رسالے 1988ء سے شائع ہوتے رہے۔ یار محمد یار کی زیر ادارت "بندیگ" کے نام سے بھی ایک بلوچی رسالے کا ایک ہی شمارہ اکتوبر 1986 میں شائع ہوا۔ مختصراً

یہ کہ بلوچی زبان میں ماہوار ادبی رسالوں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے مگر کوئی قابل ذکر ہفت روزہ، پندرہ روزہ یا روزنامہ نہیں ہے جس کی وجہ سے بلوچی اخباری صحافت کی کمی شدت سے محسوس کی جاسکتی ہے۔ چند نمایاں بلوچی رسالے جنہوں نے بلوچی صحافت کو بنیاد فراہم کی درج ذیل ہیں:۔

ماہنامہ " اومان" کراچی

بلوچی زبان کا پہلا باقاعدہ ادبی رسالہ " اومان " کے نام سے فروری 1951ء میں کراچی سے جاری ہوا۔ اس رسالے کے مدیر اعلیٰ اور سرپرست ومالک بلوچی کے معروف ادیب اور قلمکار جناب مولانا خیر محمد نادر ندوی بلوچ تھے۔ وہ اس اہم بلوچی رسالے کو" بلوچ ایجوکیشنل سوسائٹی" لیاری کی جانب سے شائع کراتے رہے ہیں۔ بلوچی زبان و ادب کی تاریخ میں ماہنامہ " اومان "کا ذکر سنہری حروف سے کیا جاتا ہے۔ بلوچی ادب کے اکثر جدید اصناف اس رسالے کے توسط سے بلوچی ادب میں متعارف ہوئے ہیں۔ لہٰذا ماہنامہ " اومان" کراچی کی اجرا کو جدید بلوچی ادب کی ترقی وترویج میں نمایاں اور بنیادی خدمات سرانجام دینے کی بنا پر ایک اہم موڑ خیال کیا جاتا ہے۔ بلوچی زبان و ادب کی ترقی وترویج میں معاون یہ اہم ماہنامہ قریباً 11 سال خدمات سرانجام کے بعد 1962 میں بند ہوا۔

ماہنامہ " بلوچی" کراچی / کوئٹہ

بلوچی زبان کا قدیم ماہنامہ ہے۔ جسے " لٹ خانہ" کے ہم فکر ساتھیوں کی تحریک پر بلوچی زبان کے نامور شاعر اور صحافی عبدالواحد آزاد جمالدینی نے جون 1956ء میں کراچی سے جاری کیا۔ " بلوچی" کراچی بلوچی زبان میں جدید اصناف

کو متعارف کرانے اور ترقی پسند سوچ اور فکر کو اجاگر کرنے کے لیے سب سے اہم رسالہ تھا۔ تاہم آزاد جمالدینی اور ان کے بھائی میر عبداللہ جان جمالدینی کی انتھک کوششوں کے باوجود مالی مشکلات کی بناء پر زیادہ دیر نہیں چل سکا اور دو سال کے بعد مئی 1958ء میں بند ہوا۔ بعد ازاں آزاد جمالدینی کوئٹہ چلے آئے اور 20 سال تک "بلوچی" بند رہنے کے بعد بالآخر آزاد جمالدینی کی کوششوں سے اپریل 1978ء میں ایک بار پھر کوئٹہ سے شائع ہونے لگا جو آزاد جمالدینی کی وفات 5 ستمبر 1981ء تک باقاعدگی سے جاری رہا۔

ماہنامہ "بلوچی" کا تیسرا اور موجودہ دور ستمبر 1986ء سے شروع ہوتا ہے اور اس اہم اور تاریخی رسالے کو عبدالواحد بندیگ گذشتہ تین، چار دہائیوں سے باقاعدگی سے شائع کر رہے ہیں۔ بلوچی زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے ہر دور میں ماہنامہ "بلوچی" کا بہت بڑا حصہ رہا ہے۔

ہفت روزہ "نوائے وطن"

1953ء بلوچی صحافت کی تاریخ میں ایک اہم سال ہے جب اس ایک ہی سال کے دوران بلوچی کے دو اخبار ہفت روزہ "نوائے وطن" اور پندرہ روزہ "ساربان" مستونگ کا آغاز ہوا۔ نوائے وطن" جس کی ادارت بلوچستان کے نامور اور بے باک صحافی لالا غلام محمد شاہوانی کرتے تھے اور ان کی معاونت بلوچستان کے ایک نامور دانشور میر عبداللہ جان جمالدینی نے کی۔ اس اخبار نے بلوچستان کے سیاسی، سماجی اور صحافتی حلقوں میں دھوم مچادی جس نے اپنی بے باک تحریروں سے سیاسی جمود اور گھٹن کے دور میں بلوچستان میں حقوق کی بات کی اور بیباکانہ انداز میں

اپنا موقف بیان کیا۔ جس کی پاداش میں 1954ء میں " نوائے وطن " کو زبردستی بند کیا گیا اور اس کے ایڈیٹر لالا غلام محمد شاہوانی کو گرفتار کر کے جیل میں ڈالا گیا[1]۔ "نوائے وطن " مختلف اوقات میں بند رہنے اور شائع ہونے لگا۔ مرحوم غلام محمد شاہوانی کے بعد ملک محمد پناہ اس رسالے کو شائع کراتے رہے اور ان کی وفات کے بعد اب مذکورہ اخبار کو ان کے داماد منیر عیسیٰ بلوچ کوئٹہ سے باقاعدگی سے شائع کرا رہے ہیں۔

نوکین دور

بلوچی صحافت کی تاریخ میں ایک اہم باب ہفت روزہ بلوچی اردو اخبار "نوکیں دور" ہے جسے نامور صحافی اور سیاسی سرکردہ بابو عبدالکریم شورش (جو بعد ازاں عبدالکریم امن کے نام سے پہچانے جاتے تھے) نے 8 جون 1962 کو کوئٹہ سے جاری کیا۔ " نوکیں دور" بلوچی زبان کا پہلا جریدہ ہے جو انتہائی نامساعد حالات میں بلوچی اور اردو میں باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ جس میں بطور خاص بلوچی زبان کو رومن اسکرپٹ میں سمجھانے اور سکھانے کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ بلوچستان کی سیاسی تحریکوں میں اس اخبار نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور خاص موقعوں پر خاص شمارے بھی شائع ہوتے تھے۔ ان شماروں میں 28 فروری 1968 کا "مکران نمبر" قابل ذکر ہے۔ 1970ء میں نیب کی حکومت بننے کے بعد یہ اہم اخبار بند ہوا۔ بعد ازاں مختلف اوقات میں اخبار شائع ہونے اور بند ہونے لگا۔ تاہم مذکورہ اخبار کو اس وقت شاہ محمد مری ایک رسالے کی صورت میں باقاعدگی اور خوبصورتی سے شائع کروا رہا ہے۔ اس کے ایڈیٹر اور پبلشر محترمہ زیب النساء شورش ہیں۔

ماہنامہ " اولس" بلوچی کوئٹہ

بلوچی زبان کا سب سے پہلا سرکاری رسالہ " اولس "بلوچی کے نام سے دسمبر 1961 ء سے اس وقت کے بارڈر پبلسٹی آرگنائزیشن اور موجودہ پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کے زیر اہتمام شائع ہونے لگا۔ یہ رسالہ محکمہ اطلاعات حکومت پاکستان کا سرکاری رسالہ تھا جو بلوچی زبان میں کوئٹہ سے شائع ہوتا رہا۔ اس کے اکثر 48 صفحات ہوتے تھے جن میں سے 40 صفحات بلوچی کے لیے اور آخری 8 صفحات براہوئی زبان کے لیے وقف ہوتے تھے۔ اس رسالے کا پہلا ایڈیٹر بلوچی کے نامور ادیب جناب امان اللہ گچکی تھے۔ اور اس محکمہ کے ڈپٹی ڈائریکٹر امیر عثمان اس کے پہلے نگران اعلیٰ مقرر ہوئے۔ بلوچی زبان وادب کی تاریخ میں اس رسالے کا ذکر نہایت ضروری ہے یوں تو بظاہر یہ رسالہ سرکاری تھا اور اس کا بنیادی مقصد بلوچستان میں مرکزی حکومت کی جانب سے ترقیاتی منصوبوں کی تشہیر کرنا تھا مگر اس رسالے نے اس سے زیادہ بلوچی زبان وادب کی ترقی وترویج میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

" اولس" بلوچی نے بلوچی زبان میں جدید اصناف کو متعارف کرایا اور بلوچی کے نئے لکھنے والوں نے اس رسالے کی توسط سے بلوچی ادب کے دامن میں نثر و نظم کے مختلف اصناف میں معیاری تخلیقات و تحقیقات کا ایک ذخیرہ مہیا کیا۔ اس رسالے کے ایڈیٹروں میں امان اللہ کے علاوہ عبدالحکیم بلوچ، عبدالغفار ندیم، صورت خان مری، عبدالقادر شاہوانی، عبدالرزاق صابر، پیر محمد زبیرانی اور اکبر شاہ کے نام آتے ہیں۔ بلوچی زبان کا یہ مقبول عام رسالہ 1988ء سے حکومتی عدم توجہی اور عدم سرپرستی کی وجہ سے بند پڑا ہوا ہے۔

بیرون ملک سے شائع ہونے والے چند اخبارات و جرائد

پاکستان کے علاوہ بیرون ملک سے بھی بلوچی زبان میں چند رسالے شائع ہوتے رہے ہیں جن میں سے چند نمایاں درج ذیل ہیں۔

''میار''(MAYAR)ناروئے

ایران سے گئے ہوئے بلوچ پناہ گزینوں نے ناروئے سے ایک رسالہ ''میار'' کے نام سے شائع کراتے رہے ہیں۔ جس کے کئی شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ ان رسالے کا اہتمام '' بلوچ باہوٹانی گل'' نامی تنظیم نے کیا تھا۔ اس میں انگریزی اور بلوچی میں مضامین اور اشعار چھپتے رہے ہیں۔

'' شوہاز''(SHOHAZ)لندن

یہ رسالہ '' انجمن تحقیقی و فرہنگی بلوچ یعنی Baloch Research & Cultural Associationلندن سے شائع کراتا رہا ہے۔ جس کا ایک شمارہ نومبر 1989 راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ یہ بیک وقت فارسی، بلوچی اور انگریزی میں شائع ہوتا تھا۔

'' روچ''(ROCH)کینیڈا

'' روچ'' کے نام سے اس رسالے کو''سید ھاشمی جہانی ادبی گل'' کے زیر اہتمام جناب م۔ ی۔ دُرّا اور محمد صالح کینیڈا سے شائع کراتے تھے۔

"مکران"(MAKURAN)ایران

بلوچی کے ایک نامور قلمکار جناب خالقداد آریانے "مکران" کے نام سے ایک رسالہ تہران ایران سے شائع کرایا جس کا ایک ہی شمارہ راقم کی نظر سے گزرا ہے۔

ان کے علاوہ جو مختلف اخبارات ورساہل اور جرائد مختلف ممالک سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔	تپاکی راہ	بغداد	اکبر بارکزئی، صدیق آزاد	۱۹۷۲
۲۔	سوشلزم مسئلہ	پراگ		۱۹۸۰
۳۔	سوب	کابل		۱۹۸۱
۴۔	ملیات برادر	کابل		۱۹۸۲
۵۔	شوہاز	لندن		؟
۶۔	باہوٹ	سویڈن	بلوچ باہوٹ گل	۱۹۹۲
۷۔	بلوچ ئے گوانک	ناروے		۱۹۹۳
۸۔	روچ	کینیڈا		۱۹۹۴
۹۔	شابندن	بحرین		۱۹۹۴
۱۰۔	کاروان	ایران		
۱۱۔	باج	بحرین	باج ادبی جہدکار	۲۰۰۳

(بحوالہ: دشتیاری ۲۰۰۳ اور ذاکر: ۱۹۲: ۲۰۲۰)

چند اہم بلوچی علمی، ادبی اور اشاعتی ادارے

بلوچی زبان و ادب کی ترویج کے لیے جن اہم علمی، ادبی اور اشاعتی اداروں نے نمایاں خدمات سر انجام دی ہیں ان میں سے چند قابل ذکر ادارے درج ذیل ہیں:۔

لٹ خانہ:۔

بلوچستان کی سیاسی اور ادبی تاریخ میں "لٹ خانہ" کا تذکرہ انتہائی ضروری ہے اس پلیٹ فارم سے اس وقت کے سنجیدہ فکر نوجوان اہل قلم نے بلوچستان کی سیاسی اور ادبی فضا میں ایک نئی فکر پھیلائی۔ اس ادارے کا قیام مارچ ۱۹۵۰ میں بلوچی سٹریٹ کوئٹہ میں ایک کمرے پر مشتمل مکان میں عمل میں آیا۔ اس کے بانی مبانی اراکین میں عبداللہ جان جمالدینی، ڈاکٹر خداداد، کمال خان شیرانی اور (سردار) بہادر خان بنگلزئی تھے۔ اس کے بعد آزاد جمالدینی، انجم قزلباش، نادر قمبرانی، میر شیر محمد مری، لالا غلام جان شاہوانی، میر گل خان نصیر، عبدالواحد کرد اور ملک عثمان کاسی وغیرہ اس میں شامل ہوئے۔

لٹ خانہ کوئی باقاعدہ ادبی ادارہ تو نہیں تھا بلکہ یہ ایک فکری تربیت گاہ تھی۔ جہاں سے روشن فکر دانشور سیاسی حقوق کی حصول اور بلوچی، براہوئی اور پشتو زبانوں کی ترقی کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اس ادارے کے ارکان کی تحریک پر آزاد جمالدینی کا شعری مجموعہ "مست توار" گل خان نصیر کا شعری مجموعہ "گلبانگ" کے علاوہ ماہنامہ "بلوچی" کراچی اور ماہنامہ "پشتو" کوئٹہ کا اجراء ہوا۔ اس فکری تربیت گاہ نے سیاسی شعور پیدا کرنے کے علاوہ بلوچی، پشتو اور براہوئی زبانوں میں

ایسے دانشور پیدا کیے جنھوں نے آگے چل کر ان زبانوں کے ادب کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا۔

بلوچ ایجوکیشنل سوسائٹی کراچی

اس تعلیمی اور ادبی ادارے کا بانی اور سرپرست اعلیٰ مولانا خیر محمد ندوی رہے ہیں۔ ادارے کے زیر اہتمام کراچی میں مختلف سطح تک اسکولوں کے قیام کے علاوہ اس ادارے نے فروری 1951ء میں ماہنامہ ''اومان'' کے نام سے بلوچی اور اردو میں رسالہ شائع کیا۔ جو 1962ء تک باقاعدگی سے جاری رہا۔ بعد ازاں 1967 سے ''سوغات'' کے نام سے بلوچی، اردو، عربی اور فارسی رسالہ شائع کرتا رہا۔ اس کے علاوہ اس ادارے نے بلوچی اور اردو میں کچھ کتابیں بھی شائع کی ہیں۔

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

بلوچستان میں بلوچی زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے کوشاں سب سے نمایاں علمی اور ادبی ادارہ بلوچی اکیڈمی ہے۔ بلوچی اکیڈمی 1961ء میں قائم ہوئی۔ جس کے پہلے چیئرمین بلوچی زبان کے نامور محقق سردار خان گیشکوری تھے۔ اس ادارے نے بلوچی زبان، تاریخ، ادب، ثقافت اور کئی عنوانات پر سینکڑوں کتابیں شائع کی ہیں۔ بلوچی اکیڈمی نے بلوچی کے علاوہ اردو، انگریزی، فارسی اور براہوئی میں بھی کتب شائع کیے ہیں قبل ازیں کراچی میں بلوچی اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا تھا۔

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ نے 1980ء میں وزارت تعلیم حکومت پاکستان کے تعاون سے بلوچی زبان میں ادب، تاریخ، ثقافت، زراعت، معاشیات کے کئی عنوانات پر درجنوں کتابچے بھی شائع کرایا۔

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ کے بانی چیئرمین سردار خان گیشکوری ہیں ان کے بعد ملک محمد رمضان بلوچ، واجہ بشیر احمد بلوچ، عبداللہ جان جمالدینی، جان محمد دشتی، عبدالواحد بندیگ اور ممتاز یوسف، بالترتیب بلوچی اکیڈمی کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ موجودہ چیئرمین پروفیسر رفیق سنگت ہیں۔ جبکہ گلزار خان مری، ایوب بلوچ، عبدالقادر شاہوانی، پناہ بلوچ اس ادارے کے جنرل سیکریٹری رہ چکے ہیں۔

بلوچی اکیڈمی مستقبل میں بلوچی زبان وادب کی ترقی وترویج کے بارے میں ایک مربوط پروگرام رکھتی ہے۔ بلوچی اکیڈمی کُتب کی اشاعت کے علاوہ وقتاً فوقتاً ادبی سیمینار، کانفرنس، تقاریب، مذاکرے، مشاعرہ وغیرہ بھی منعقد کراتی رہتی ہے جن میں بلوچی اکیڈمی کا" سلور جوبلی سیمینار" ایک بین الاقوامی سیمینار شمار کیا جاتا ہے۔ ۲۰۱۱ میں بلوچی اکیڈمی کا گولڈن جوبلی کے موقع پر بھی ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا تھا۔

لوز چیذغ (چیدگ) کوئٹہ

اس تنظیم کا قیام اگست 1989 کو عمل میں آیا جس کے پہلے صدر سلطان نعیم قیصرانی اور جنرل سیکریٹری شاہ محمد مری مقرر ہوئے۔ دیگر سرگرم اراکین میں صبا دشتیاری، غلام نبی بزدار، اللہ بخش بزدار، عابد میر، وغیرہ شامل رہے ہیں۔ اس ادارے نے بلوچستان میں صحافت کے علاوہ کئی ایک کامیاب مذاکرے اور سیمینار کرائے ہیں۔ نیز اس ادارے کے زیر اہتمام ہفت روزہ تنقیدی نشستیں بھی ہوتی

رہتی ہیں۔ فی الوقت اس ادارے کے منتظمین بلوچی، اردو کے قدیم معیاری رسالہ ''نوکیں دور'' کو بھی شائع کروا رہے ہیں۔

ریڈیو پاکستان کوئٹہ:۔

ریڈیو پاکستان کوئٹہ نے اپنی باقاعدہ نشریات کا آغاز ۱۰ مئی ۱۹۵۶ سے کیا۔ تاہم اس کا باقاعدہ افتتاح ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۶ کو ہوا۔ اس سٹیشن سے اردو کے ساتھ ساتھ ابتدا میں بلوچی میں بھی صرف نصف گھنٹے کے پروگرام نشر ہوتے تھے۔ تاہم براہوئی زبان کے لیے ابتدا میں الگ وقت مخصوص نہیں تھا اور بلوچی پروگرام کے دوران براہوئی میں بھی چند منٹ کی نشریات ہوتی تھیں۔ بلوچی زبان میں پہلی آواز خدا بخش بلوچ کی تھی۔

براہوئی زبان کا پہلا نغمہ نظر محمد کی آواز میں ۲۱ مارچ ۱۹۵۷ کو شام پانچ بجکر ۱۰ منٹ پر بلوچی پروگرام کے دوران نشر ہوا۔ براہوئی زبان کا پہلا انٹرویو نواب غوث بخش رئیسانی کی آواز میں بلوچی پروگرام کے دوران ہی ۴ نومبر ۱۹۶۱ کو نشر ہوا۔ بعد ازاں ۲۵ دسمبر ۱۹۶۳ تک بلوچی پروگرام کے دوران پندرہ منٹ کے براہوئی نشریات ہوتے تھے۔

ریڈیو پاکستان کوئٹہ پہلا سرکاری نشریاتی ادارہ ہے جس نے بلوچی اور براہوئی زبانوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے اور ایک دوسرے کے محاورات اور اصطلاحات کو دونوں زبانوں میں مروج کرنے اور ذوالسان قلمکاروں کی بڑی تعداد پیدا کرنے کا سبب بنا۔

پاکستان ٹیلی وژن کوئٹہ مرکز:۔

بلوچی صحافت کی ترویج میں پاکستان ٹیلی وژن کوئٹہ مرکز کا بڑا کردار رہاہے۔اس سینٹر سے ۲۶ فروری ۱۹۷۴ کو نشریات کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ ابتداء ہی سے بلوچی، براہوئی اور پشتو میں یکساں دورانیے کے پروگرام نشر ہونے لگے۔ اس ادارے نے بلوچی زبان میں ادیبوں، شاعروں، فنکاروں اور گلوکاروں کی ایک کھیپ پیدا کی جو بلوچی زبان وادب اور بلوچ ثقافت کی ترویج میں اہم کردار کیا۔ اور اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور کر رہے ہیں۔

پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ:۔

پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ جو شروع میں ٹرائیبل پبلسٹی آرگنائزیشن اور بعد ازاں بارڈر پبلسٹی آرگنائزیشن، اور اب پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ حکومت پاکستان کے نام سے پہچانا جاتاہے۔ اس ادارے نے پہلی بار سرکاری سطح پر بلوچی زبان کو متعارف کرانے اور اولس بلوچی کے نام سے ایک ماہنامہ شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ اس ادارے کے زیر اہتمام ماہناہہ "اولس" بلوچی میں بلوچی کے ساتھ ساتھ ۸ صفحوں پر براہوئی میں بھی مضامین اور شاعری چھپتا تھا۔ حکومت کی عدم توجہی کی وجہ سے اولس بلوچی ۱۹۸۸ سے بند ہے۔

محکمہ تعلقات عامہ حکومت بلوچستان:۔

بلوچستان کی صوبائی محکمہ اطلاعات کا ذیلی شعبہ محکمہ تعلقات عامہ بھی علاقائی زبانوں کی ترقی کے سلسلے میں دیگر زبانوں کی طرح بلوچی زبان اور صحافت کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دے رہاہے۔اس محکمہ کے زیر اہتمام ۱۹۸۰ کی دہائی میں ایک اردو ماہنامہ ''زینہ'' کے نام سے شجاع زیدی کی سرپرستی اور وحیدزہیر کی ادارت میں شروع کیا گیا تھا۔ جس میں اردو کے ساتھ ساتھ بلوچی زبان میں بھی تحریریں شامل ہوتی تھیں۔اس کے علاوہ اس محکمہ کے توسط سے اہم حکومتی پالیسی بیان اور تقاریر کو بھی دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ بلوچی میں بھی چھاپنے کا اہتمام کیا جاتا رہاہے۔

حوالہ جات:

1۔ شاہوانی، نادر، مرتب حوالہ بلوچستان، براہوئی ادبی سوسائٹی، پاکستان،
2: براہوئی، عبدالرحمٰن، براہوئی ادب کے پچیس سال، ایلم مستونگ، 26 نومبر 1972
3۔ صابر عبدالرزاق "بلوچی صحافت کا ایک جاہزہ" غیر مطبوعہ مقالہ
4۔ صابر عبدالرزاق، "غیر مطبوعہ نوٹس" علاقائی صحافت" برائے طلبا شعبہ ابلاغیات جامعہ بلوچستان ۱۹۷۸۔۸۲

باب پنجم

چند نامور قدیم شعراء اور ادباء

بلوچی کے نمایاں ادبی اکابرین

آزاد جمالدینی
آغا نصیر خان آحمد زئی
بانل دشتیاری
بشیر احمد بلوچ
پہلوان فقیر
جام دُرّک
جوانسال بگٹی
رحم علی مری
سید ہاشمی
صوفی فیض محمد فیضل
عبدالغفور احسن خارانی
عبداللہ جان جمالدینی
عطا شاد
غوث بخش صابر

کریم دشتی

محمد حسین عنقا

مست توکلی

مراد ساحر

مُلّا فاضل رند

ملا حضور بخش جتوئی

ملنگ شاہ

میر دینار میر واڑی

میر عاقل خان مینگل

میر گل خان نصیر

میر شیر محمد مری

میر مٹھا خان مری

چند نامور قدیم شعراء اور ادباء

بلوچی کے ادبی اکابرین

یوں تو بلوچی زبان و ادب کی ترقی اور ترویج میں جن بلوچ ادبی اکابرین کا کردار رہا ہے اور ہے ان کی ایک طویل فہرست ہے۔ تاہم یہاں صرف ان چند نمایاں ادبا، شعرا اور محققین کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے پوری زندگی اپنے شب و روز کی محنت سے بلوچی زبان و ادب کی آبیاری کی اور تادم مرگ بلوچی زبان و ادب کی خدمت سے وابستہ رہے اور جو اس وقت اس دنیا میں نہیں ہیں۔

آزاد جمالدینی

عبدالواحد آزاد جمالدینی 1912 میں نوشکی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام میر خان جہان جمالدینی تھا۔ آزاد جمالدینی نے ابتدائی تعلیم اپنے گاوں کے مدرسہ اور بعد ازاں لوئر مڈل اسکول نوشکی سے حاصل کی۔ ساتویں جماعت میں وہ کوئٹہ کے سنڈیمن ہائی اسکول میں داخل ہوئے اور 1935 تک اسلامیہ ہائی اسکول میں پڑھتے رہے۔ آزاد جمالدینی نے اپنی عملی زندگی کا آغاز پرائمری اسکول ٹیچر کی حیثیت سے کیا۔ مگر آزادی طبع کی بناء پر کچھ ہی عرصہ بعد ملازمت ترک کر کے ذاتی کاروبار شروع کیا۔ وہ کچھ عرصہ ایران میں بھی رہے۔ ایران سے واپسی پر ٹھیکداری شروع کی مگر اس دوران تنگدستی کی بناء پر سب کچھ چھوڑ کر کوئٹہ آئے اور کوئٹہ میں لٹ خانہ کے ہم خیال اور ہم فکر ساتھیوں کے ساتھ مل کر بلوچستان میں سیاسی بیداری اور بلوچی ادب کی ترقی و ترویج کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان کا پہلا

شعری مجموعہ جو جدید بلوچی شاعری کے ابتدائی مجموعوں میں سے ہے، "مستیں توار" کے نام سے 1953 میں شائع ہوا[1]۔ اس کے علاوہ جون 1956 سے انہوں نے ایک بلوچی ماہنامہ "بلوچی" کے نام سے کراچی سے شائع کرانا شروع کیا جو بلوچی صحافتی تاریخ میں ایک درخشان باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر 1958 میں مالی مشکلات کے سبب اس اہم رسالے کو بند کرنا پڑا۔ دوسری بار اپریل 1978 سے "بلوچی" کوئٹہ سے شائع ہونا شروع ہوا جو آزاد جمالدینی کی وفات 5 ستمبر 1981 تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

آزاد جمالدینی کو ایک بیباک اور نڈر صحافی کے علاوہ بلوچی کا قادر الکلام شاعر بھی خیال کیا جاتا ہے۔ ان کا دوسرا شعری مجموعہ "رُژن" کے نام سے کراچی سے 1985 میں شائع ہوا۔ ماہنامہ بلوچی کو تیسری بار ستمبر 1986 سے تا حال عبدالواحد بندیگ باقاعدگی سے شائع کروا رہا ہے۔

آغا نصیر خان آحمد زئی

آغا نصیر خان آحمد زئی ولد آغا سکندر آحمد زئی قلات کے معروف آحمد زئی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ یکم اگست ۱۹۱۶ کو کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سنڈیمن ہائی سکول سے حاصل کی اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے فارن گرسچن کالج لاہور F.C College Lahore چلے گئے۔۔ وہ خان آف قلات میر آحمد یار خان کے داماد تھے اور ریاست قلات کے وزیر دربار بھی رہے۔ اس کے علاوہ وہ ب Balochistan Text Book Board اور بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن بلوچستان کے چیئر مین بھی رہے۔ تاریخ بلوچستان پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے چھ جلدوں پر مشتمل "تاریخ

بلوچستان" کو ایک نئے انداز سے تحریر کی ہے۔ بلوچی لسانیات خاص طور پر بلوچی گرائمر پر مشتمل ان کی کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ وہ بلوچی اکیڈمی کے ایگزیکٹو باڈی کے ممبر اور بلوچستان یونیورسٹی کے شعبہ لسانیات میں بلوچی کے ریسرچر بھی رہے ہیں۔

بانل دشتیاری

بانل دشتیاری بلوچی زبان کے ایک نہایت عمدہ انشاء پرداز، بہترین شاعرہ اور افسانہ نگار ہو گزری ہیں۔ ان کا ایک سلسلہ مضامین " زمانہ" بلوچی کراچی میں "بلوکپوت" نہایت مقبول رہا ہے۔ بلوچی افسانہ نگاری میں ان کا ایک منفرد انداز ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے بے شمار نظمیں بھی لکھی ہیں ان کی شاعری میں بھی تغزل اور روانی نمایاں ہے۔ بانل دشتیاری کو بلوچی ادب میں پہلا خاتون افسانہ نگار بھی خیال کیا جاتا ہے۔ بانل دشتیاری نے بے شمار نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی شاعری میں فصاحت، بلاغت اور تغزل بھرپور انداز میں پایا جاتا ہے۔

بشیر احمد بلوچ

واجہ بشیر آحمد بلوچ معروف براڈکاسٹر، فوکلورسٹ، اور محقق تھے۔ وہ تربت کیچ (مکران) سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم تربت اور اعلی تعلیم کراچی یونیورسٹی سے حاصل کی۔ ریڈیو پاکستان کراچی اور بعد ازاں ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے منسلک ہوئے اور کافی عرصہ سٹیشن ڈائریکٹر کوئٹہ کے عہدے پر رہے۔ اس دوران انہوں نے بلوچی لوک ادب خاص طور پر بلوچی کلاسیکل اور لوک شاعری کو جمع کر کے کئی کتابیں شائع کرایا۔ انہوں نے ملا فاضل، ملا قاسم اور ملا بوہیر کو متعارف

کرایا۔ ان کی نمایاں کتابوں میں "للہ و گرانا ز"، "درچین" اور "شپ چراگ"، قابل ذکر ہیں۔

پہلوان فقیر

بلوچی زبان کا ایک مشہور صوفی شاعر پہلوان فقیر ہے۔ پہلوان فقیر صوفی فیض محمد فیضل لاشاری، سید رکھل شاہ اور فقیر تاج محمد تاجل کا ہم عصر ہے۔ ان کے والد کا نام بڈو فقیر تھا۔ یہ خاندان سندھ میں جیکب آباد کے نزدیک رندوائی میں سکونت پذیر ہے۔

پہلوان فقیر ۱۳۰۳ ہجری بمطابق 87-1886 میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاوں کے مکتب سے حاصل کی اور 35 سال کی عمر میں فتح پور میں حضرت میاں رکھیل شاہ کے ہاتھوں بیعت کی۔ پہلوان فقیر نے سندھی کے علاوہ بلوچی زبان میں خوبصورت کافیاں اور دوھے کہے ہیں۔ بلوچی کے علاوہ سندھی، سرائیکی، اردو اور فارسی میں کلام دستیاب ہے۔ ان کے کلام کو ان کے ایک عقیدت مند فقیر غلام سرور نے "دعوت العشق" کے نام سے 1983 میں سندھی رسم الخط میں چھاپا ہے۔ پہلوان فقیر کے ہاں عارفانہ رنگ بھر پور انداز میں پایا جاتا ہے۔ پہلوان فقیر 55 سال کی عمر میں 6 جمادی الثانی ۱۳۵۸ ہجری کو فوت ہوئے ان کا عرس ہر سال باقاعدگی سے منایا جاتا ہے۔ ان کا مشہور صوفیانہ کلام سے چند مثالیں

دلا دم پہ دم یات گیر بیتغان
بیا بیا کہ دلبر فقیر بیتغان

جام دُرّک

جام دُرّک بلوچی زبان کا ملک الشعراء بھی کہلاتا ہے۔ ان کا تعلق بلوچوں کے ڈومکی قبیلے سے تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ ریاست قلات کے خان نصیر خان اول کے دور میں ہو گزرے ہیں اور قلات کے دربار سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ ان کے دیگر ہم عصر شعراء میں قاضی نور محمد گنجابوی (فارسی) اور ملک داد قلاتی (براہوئی) کا نام آتا ہے۔

جام دُرک کو بلوچی کا پہلا رومانی شاعر بھی مانا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں مناظر قدرت، فطرت کی ریگنیوں اور اپنے محبوب کے حسن و جمال کی تعریف شامل ہے۔ ان کی شاعری اور فنی محاسن کے لئے عبدالرحمان غور کی رائے ملاحظہ ہو

"جام دُرک رومانی شاعر تھے۔ بلوچی ادب میں انہیں رومانی اور فطری شاعری کا موجد مانا جاتا ہے۔ چونکہ بلوچی شاعری کا زیادہ حصہ رزمیہ نظموں اور لوگ گیتوں پر مشتمل ہے اس لیے جام دُرک کی رومانی شاعری ایک الگ مقام رکھتی ہے۔ وہ ایک طاہر خوش نوا کی طرح تھے اور ان کا کلام محبت کے سوزو گذار سے لبریز ہے۔وہ اپنے کلام میں محبت اور زندگی کے لئے جدوجہد کا درس دیتے ہیں"[2]۔

جام دُرک کی شاعری مناظر قدرت، عشق و رومان کے علاوہ رزمیہ نظمیں بھی ہیں تاہم بلوچی ادب میں ان کی انفرادیت رومانی نظموں کی وجہ سے ہے۔ ان کی رومانی شاعری کے منظوم ترجمہ میں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

ایک مدت کے بعد کل شب کو۔
خواب میں اس کو میں نے دیکھا تھا

اور طاؤس کی طرح رقصاں۔
وہ میرے پاس آ کے بیٹھی تھی۔
میں نے محسوس یوں کیا گویا۔
عرش سے چودھویں کا چاند۔
صورت ماہ لقاہ اتر آیا ہے۔

جام دُرک کے اشعار کو مشہور محقق بشیر احمد بلوچ نے " درچین " کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

جوانسال بگٹی

قدیم بلوچی کلاسیکل شعراء کے آخری شاعر محمد ابراہیم جن کا تخلص جوانسال تھا ڈیرہ بگٹی کے ایک دور دراز کے گاؤں کٹھن میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام نور محمد بگٹی تھا۔ جوانسال بگٹی کی سال پیدائش تقریباً 1885 ہے[3]۔ان کا گھرانہ عام بلوچوں کی طرح ایک خانہ بدوش چرواہا گھرانہ تھا جہاں انہوں نے آنکھ کھولی وہ مکمل ناخواندہ ہونے کے باوجود معرفت و عرفان سے بھرپور شاہکار نظمیں کہیں جنہیں بلوچی کلاسیکل شاعری میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ جوانسال بگٹی کا شمار بلوچی کے نامور صوفی شعراء میں بھی ہوتا ہے ان کی شاعری میں عشق حقیقی، ذات باری شان نبوت اور اولیائے کرام کے منقبت بھی پائے جاتے ہیں۔ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب وہ کسی درخت کے نیچے سائے میں بیٹھتے تو ان پر وجد طاری ہوتا اور زبان سے بے ساختہ اشعار رواں ہو جاتے۔ جوانسال بگٹی کی بلوچی کلاسیکل اور عارفانہ شاعری کو بلوچی کے دو نامور محققین عطاشاد اور گلزار خان مری نے یکجا کر کے بلوچی اکیڈمی کوئٹہ سے شائع کرایا ہے۔

جو انسال بگٹی 84 سال کی طویل عمر پاکر 25 دسمبر 1969 کو فوت ہوئے[4]۔ ان کی شاعری کے چند نمونے جو بلوچی کے صاحب طرز ادیب غوث بخش صابر نے اردو میں ترجمہ کیا ہے درج ذیل ہیں۔

محمد ﷺ آپ سے راضی خدا ہے۔
محمد ﷺ اُمتوں کا رہنما ہے۔
محمد ﷺ وہ جو اعجازے خدا ہے۔
محمد ﷺ ہر دکھی دِل کی دوا ہے۔[5]

بلوچی کلاسیکل شعراء میں جو انسال بگٹی کا اپنا ایک الگ رنگ ہے۔ جناب عبدالرحمٰن غور انہیں بلوچی زبان کا سعدی کہتے ہیں۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ پند ونصائح پر مشتمل ہے۔ تاہم صوفیانہ اور عارفانہ رنگ ان کی شاعری میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔ جو انسال بگٹی کے کلام اور افکار کو بلوچی کے مشہور محقق گلزار خان مری نے جو انسال کے نام سے اور جناب عطاشاد نے جو انسال بگٹی کے نام سے یکجا کیا ہے۔

جو انسال بگٹی کے شعری فنی محاسن کے بارے میں عبدالرحمٰن غور لکھتے ہیں کہ "جو انسال ایک قادر الکلام شاعر ہونے کے علاوہ اپنے معاشرے کا ایک فرد بھی ہے جس معاشرہ میں جہالت اور غربت کا دور دورہ ہے اس حالت سے کیسے بیگانہ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ (جو انسال) اپنے مخصوص انداز میں معاشرہ کے لوگوں سے مخاطب ہوتا ہے"۔[6]

رحم علی مری

رحم علی مری بلوچی زبان کا مشہور رزمیہ گو شاعر ہے۔ رحم علی مری کا تعلق بلوچوں کے مری قبیلہ سے ہے۔ اس کا باپ بجار خان قبیلہ کا قومی شاعر رہا ہے۔ رحم علی مری اپنے باپ کی زندگی ہی میں خوبصورت رزمیہ نظمیں کہہ کر ایک شاعر کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔ انگریزوں اور مریوں کے درمیان ہڑب کی تاریخی لڑائی کو رحم علی مری نے خوبصورت انداز میں نظم کیا ہے۔ جو ایک طویل رزمیہ نظم ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخی دستاویز بھی ہے۔ جس کے چند اشعار کا ترجمہ کچھ یوں ہے۔

اب کون ہے کہ جو تلوار کی جھنکار پر رقص کرنے
کو تیار نہیں۔
آجاؤ اے غازیو اور شہیدو
اپنی گھوڑیوں کو سنوارو
یہ بے عزتی کی نوکری ہم سے نہیں ہو سکتی۔ (7)

سید ظہور شاہ ہاشمی

بلوچی زبان کے معروف ادیب، دانشور، ماہر لسانیات، براڈ کاسٹر، محقق اور شاعر سید ظہور شاہ ہاشمی ۲۱ اپریل ۱۹۲۶ کو گوادر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گوادر اور بعد میں کراچی اور مسقط سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۹ میں ریڈیو پاکستان کراچی سے بلوچی پروگراموں کے آغاز سے ان سے منسلک ہوئے۔ بلوچی شاعری خاص طور پر بلوچی نظم کو نئی جہت دینے میں سید ہاشمی کا بہت اہم کردار رہا ہے۔ ان کی شاعری

میں خالص بلوچی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے اور جہاں لفظ دستیاب نہیں ہوئے ہیں وہاں انہوں نے نئے الفاظ بھی بنائے اور استعمال کیے ہیں۔

سید ہاشمی کو بلوچی کا پہلا ناول نگار ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے۔ ان کا لکھا ہوا ناول "نازک" پہلا بلوچی ناول ہے۔بلوچی زبان کی پہلی ادبی تاریخ بھی انہوں نے ہی اردو میں مرتب کی ہے۔ وہ ۱۹۵۰ سے ۱۹۶۲ کے درمیان میں کافی متحرک رہے۔ وہ قریبا دس مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے کچھ کے نام درج ذیل ہیں؛" انگر و ترنگل"، "تراپکنیں ترمپ "بر تگلیں بیر، "سستگیں دستونک"، "سید گنج"، "بلوچی سیاھگ راست نبیسگ "، سچکانیں سسا"، گسد گوار، قابل ذکر ہیں۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ ان کے کچھ مسودے تاحال اشاعت کے منتظر ہیں۔

صباد شتیاری

بلوچی زبان کے معروف ادیب، شاعر، فلاسفر، محقق اور نقاد پروفیسر غلام حسین عرف صباد شتیاری ۱۹۵۳ میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ کراچی یونیورسٹی سے سیاسیات اور علوم اسلامیہ میں ماسٹر کی ڈگریاں حاصل کیں۔ بلوچستان یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ سے وابستہ رہے۔ بلوچی ادب پر ان کا تحقیقی کام انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ ایک نقاد کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ ان کا تاریخی کام پوری بلوچی ادب میں شائع شدہ مواد وہ خواہ کتابی صورت میں ہو یا مضامین کی صورت میں انہیں یکجا کرکے مرتب کرکے کئی جلدوں میں شائع کیا۔ ان کی تالیف کردہ کتابوں میں "گلکار وچکنکار" شامل ہیں۔

پروفیسر صباد شتیاری بلوچ سماج اور بلوچی زبان و ادب میں ایک معتبر نام ہیں جنہوں نے بلوچی زبان و ادب سے متعلق کئی شعبوں میں بنیادی کام کیے ہیں۔ صباد شتیاری زبان و ادب اور تحقیق کے علاوہ موسیقی سے بھی بے پناہ رغبت رکھتے تھے۔ انہیں یکم جون ۲۰۱۱ کو نامعلوم مسلح افراد نے بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ کے سامنے شہید کر دیا۔

صوفی فیض محمد فیضل

صوفی فیض محمد فیضل ضلع کچھی کے ایک گاوں کھاری کھوناڑو میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق بلوچوں کے مشہور قبیلہ لاشاری سے تھا۔ ان کا آبائی پیشہ کاشتکاری تھا تاہم وہ مال مویشی بھی پالتے تھے۔ شاعری کا ملکہ قدرت نے بچپن سے عطا کیا تھا۔ وہ بلوچی کے علاوہ سندھی، سرائیکی، براہوئی، فارسی اور اردو میں شاعری کرتے تھے۔ لہٰذا انہیں شاعر ہفت زبان بھی کہا جاتا ہے۔

صوفی فیض محمد فیضل بلوچی زبان کے نمایاں صوفی شاعر ہیں۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاوں سے حاصل کی اور حصول طریقت کے شوق میں علاقے کی مشہور بزرگ شخصیت حضرت میاں رکھیل شاہ صوفی القادری کی خدمت میں فتح پور میں حاضر ہوئے۔ وہ میاں رکھیل شاہ کے خلیفہ اور مُرید بن گئے۔ صوفی فیضل فارسی کے مشہور شاعر گل محمد زیب کے ہم عصر اور دوست تھے۔ ان کے بلوچی کلام کو بلوچی اور براہوئی کے ایک نامور محقق جناب پیر محمد زبیرانی نے "گُلشن اشعار" کے نام سے بلوچی اکیڈمی کوئٹہ سے شائع کرایا ہے۔

بلوچستان میں تصوف کے علمبر دار اور بلوچی عارفانہ شاعری کے سرکردہ یہ صوفی شاعر 74 برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ ان کے نام کی مناسبت سے ان کا

گاوں گوٹھ فیضل فقیر کہلاتا ہے۔صوفی فیضل کا عرس ہر سال باقاعدگی سے منایا جاتاہے۔

عبدالغفور احسن خارانی

مولانا عبدالغفور احسنؔ خارانی ولد مولوی شیر محمد بلوچ 1942 میں خاران میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی بعد ازاں مزید تعلیم کے لیے لاڑکانہ اور ملتان چلے گئے۔کچھ عرصہ مختلف مساجد اور مدارس میں امام،خطیب اور مدرس رہے۔بعد ازاں تجارت کا پیشہ اپنایا اور شہداد کوٹ سندھ میں پرچون کی دکان نکال کر مقیم ہوئے۔احسن خارانی بلوچی کے علاوہ براہوئی کے بھی قادر الکلام شاعر ہیں۔فنی پختگی ان کی شاعری میں نمایاں ہے بلوچی زبان میں ان کے غزلیات اور نظموں پر مشتمل چار مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

1۔گلدستہ عبدالغفور 1969

2۔تخیلات غفور 1972

3۔گفتار احسن 1976

4۔دیوان احسن 1977

ان کی تصنیف "دیوان احسن" فارسی دواوین کے طرز پر حروف ابجد کے حساب سے قافیہ ردیف پر مشتمل ہے۔جو بلوچی شاعری میں باقاعدہ حروف ابجد کے اعتبار سے پہلا دیوان کہلایا جاسکتا ہے۔

مولانا عبدالغفور احسنؔ خارانی 41 برس کی عمر میں 4 فروری 1983 کو شہداد کوٹ میں بیماری، مفلسی اور اپنے ہی بھائیوں کے مقروض ہونے اور ان کے ہاتھوں تنگ آکر خودکشی کرلی۔نمونہ کلام

بہ شاعری آ اگر پہلوانے تو احسنؔ
دلے کہ کرتہ تراچَٹ ضعیف لاگر عِشق

(احسن تو شاعری کی دنیا میں تو ایک پہلوان ضرور ہے مگر عِشق
نے تجھے ضعیف ولاغر بنادیا ہے)

عبداللہ جان جمالدینی

بلوچی زبان کے معروف ادیب ، صحافی، ماہر تعلیم اور دانشور پروفیسر عبداللہ جان جمالدینی ۸ مئی ۱۹۱۲ کو کلی جمالدینی نوشکی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم نوشکی سے اور بعد ازاں کوئٹہ، پشین اور پشاور سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۵۶ میں کراچی سے شائع ہونے والا رسالہ "بلوچی" میں اپنے بڑے بھائی آزاد جمالدینی کے ساتھ معاونت کی۔ بعد ازاں کوئٹہ چلے آئے اور یہاں سے دوبارہ ماہتاک بلوچی کا اجرا کیا۔

بلوچستان یونیورسٹی بننے اور شعبہ مطالعہ پاکستان میں بلوچی، ادیب، عالم اور فاضل کے کلاسوں کے اجرا کا فیصلہ ہونے کے بعد یونیورسٹی میں قائم پاکستان اسٹڈی سینٹر کے زیر اہتمام بطور صدر شعبہ بلوچی متعین ہوئے اور بعد ازاں پاکستان سٹڈی سینٹر کے ڈائریکٹر بھی مقرر ہوئے۔ عبداللہ جان جمالدینی ایک ترقی پسند ادیب اور دانشور تھے۔ بلوچستان میں ترقی پسند فکر اور ادب کی ترویج میں عبداللہ جان جمالدینی، کمال خان شیرانی، ڈاکٹر خدائیداد، نادر قمبرانی کا اہم کردار رہا ہے۔ وہ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ کے چیئرمین بھی رہے۔ ۱۹۷۴ سے بلوچستان یونیورسٹی کے مرکز مطالعہ پاکستان سے وابستہ رہے۔ ۱۹۷۴ سے ۱۹۸۷ تک مرکز

کے قائم مقام ڈائریکٹر بھی رہے اور وہ مرکز مطالعہ پاکستان میں شعبہ بلوچی کے سربراہ ابھی رہ چکے ہیں۔ بلوچی زبان وادب کے لیے ان کی نمایاں خدمات ہیں۔ ان کی مضامین کے علاوہ کتابوں میں "زندنامگ" اور "مرگ مینا" اور اردو میں "لٹ خانہ" قابل ذکر ہیں۔ بلوچی زبان و ادب کے لیے نمایاں خدمات کی بناء پر پروفیسر عبداللہ جان جمالدینی بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔ ان کی شخصیت پر ڈاکٹر شاہ محمد مری نے ایک کتاب مرتب کی ہے۔ جمالدینی صاحب ۱۹ ستمبر ۲۰۱۶ بروز سموار کو ۹۴ برس کی عمر میں کوئٹہ میں فوت ہوگئے اور انہیں نوشکی میں دفنایا گیا۔

عطاشاد

عطاشاد ۱۹۳۹ میں سنگانی سرتربت (ضلع کیچ مکران) میں پیدا ہوئے۔ ان کا پورا نام محمد اسحاق ہے۔ پنجگور ہائی سکول سے میٹرک اور ۱۹۶۲ میں ڈگری کالج کوئٹہ سے بی اے پاس کرلیا۔ محکمہ اطلاعات حکومت بلوچستان سے ملازمت کا آغاز کیا۔ ڈائریکٹر آرٹس کونسل، ڈائریکٹر اطلاعات حکومت بلوچستان، سیکریٹری آثار قدیمہ، سیکریٹری کھیل و ثقافت، اور سیکریٹری جنگلات کے منصب پر بھی رہے۔ بلوچی کے علاوہ اردو میں بھی شاعری کرتے تھے اور "برفاب" کے نام سے ان کا اردو شعری مجموعہ چھپا ہے۔ بلوچی کے سرخیل شعرا میں ان کا ایک ممتاز مقام ہے جنہوں نے بلوچی شاعری کو نیا رخ اور نئی جہتیں فراہم کیں۔ عطاشاد ۱۳ فروری ۱۹۹۷ کو فوت ہوئے۔

غوث بخش صابر

غوث بخش صابر بلوچ، بلوچی زبان کے نامور ادیب اور محقق رہے ہیں۔ وہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۵ کو سبی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سبی سے حاصل کی۔ ۱۹۶۵ سے ریڈیو پاکستان کوئٹہ کے بلوچی پروگراموں سے وابستہ ہوئے۔ بلوچی زبان میں تخلیق، تحقیق اور تراجم کے علاوہ بلوچی اور براہوئی زبانوں میں اقبالیات پر بھی کام کیا ہے۔ بلوچی لوک ادب پر ان کی کئی تصنیفات ہیں۔ غوث بخش صابر اور پیر محمد زبیرانی نے مل کر،،بنمال،، کے نام سے قریباً تین ہزار الفاظ پر مشتمل ایک بلوچی اور براہوئی لغت جس میں روزمرہ کے متفرق چیزوں کے دونوں زبانوں میں یکساں نام دیے گئے ہیں، بلوچی اکیڈمی سے شائع کروایا۔

غوث بخش صابر خود بلوچی زبان کے افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ براہوئی سمیت دنیا کی بہت سی زبانوں کے منتخب افسانوں کو بلوچی میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ وہ دو درجن سے زائد بلوچی اور اردو کتب کے مصنف و مولف ہیں۔

کریم دشتی

کریم دشتی ۱۹۳۹ میں کنچھتی دشت ضلع کیچ (مکران) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کوش کلات اور تربت سے حاصل کی۔ بعد ازاں ڈگری کالج کوئٹہ سے بی اے پاس کرلیا۔ کچھ عرصہ محکمہ تعلیم سے بھی وابستہ رہے۔ بعد ازاں کچھ عرصہ بلوچی کا معروف مجلہ "اولس" بلوچی کے ایڈیٹر بھی رہے۔

کریم دشتی بلوچی غزل گو شعرا میں ایک نمایاں مقام رکھنے کے علاوہ بلوچی زبان کے ابتدائی نقادوں میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ بلوچی تنقید پر اُن کی دو

کتابیں " شرگداری" اور " مئے لوزانک" شائع ہو چکی ہیں۔ کریم دشتی ۴۵ برس کی عمر میں ۱۹۸۴ میں فوت ہوئے۔

مراد ساحر

مراد ساحر ولد ملا رحمت ۱۹۲۷ میں نگور (مکران) کے مقام پر پیدا ہوئے۔ کراچی کے علاقہ گولیمار میں رہائش اختیار کی۔ شروع میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ شاہ لطیف کی سندھی شاعری سے بے حد متاثر تھے۔ شروع میں اردو اور بعد میں بلوچی میں شعر کہنے لگے۔ پہلا شعری مجموعہ ۱۹۷۰ میں فاضل اکیڈمی کراچی کی جانب سے "پاہار" کے نام سے شائع ہوا۔ دوسرا شعری مجموعہ چیہال ۱۹۸۷ میں سید ہاشمی اکیڈمی کراچی کی جانب سے شائع ہوا۔ ایک اور شعری مجموعہ "زرد مروارد" ۱۹۹۵ میں شائع ہوا۔ جبکہ ان کے تمام بلوچی کلام پر مشتمل کلیات "بشکن منی پریاتاں" مراد ساحر میموریل سوسائٹی کراچی کی جانب سے ۲۰۱۱ شائع ہوا۔

مراد ساحر ۱۰ دسمبر ۱۹۹۸ کو کراچی میں وفات پا گئے۔ ان کی شاعری کے موضوعات میں سیاسی اور سماجی رویے اور بلوچوں کی پسماندگی اور اس کی وجوہات پر بات کی گئی ہے۔ (8)

محمد حسین عنقا

محمد حسین عنقا ولد محمد عبداللہ 1914 میں مچھ (بولان) میں پیدا ہوئے۔ عملی زندگی کا آغاز ایک استاد کی حیثیت سے کیا مگر آزادی طبع اور بلوچستان میں سیاسی پسماندگی نے انہیں سیاست کے پر خاروادی میں دھکیل دیا۔ اور آخر دم تک انہوں نے اپنی زندگی بلوچستان کے سیاست کے لیے وقف کر دیا۔ محمد حسین عنقا بلوچستان

میں تمام نمایاں سیاسی تحریکات کے صف اول کے رہنماوں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی علمی، ادبی اور سیاسی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا اور وہ میر یوسف علی مگسی، میر عبدالعزیز کرد اور نسیم تلوی کے ساتھ مل کر آزادی کی جدوجہد میں بھرپور کردار ادا کیا۔

محمد حسین عنقا بلوچی کے ابتدائی افسانہ نگاروں کے علاوہ بلوچی کے نمایاں شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ "توار" کے نام سے شائع ہو چکا ہے جسے آزاد جمالدینی اکیڈمی کراچی نے 1986 میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ بلوچوں کے قدیم تاریخ پر بھی ان کی ایک تصنیف ہے۔ انہوں نے سعدی شیرازی کے گلستان سعدی کو بھی بلوچی میں ترجمہ کیا جسے بلوچی اکیڈیمی کوئٹہ نے شائع کرایا ہے۔

بلوچی زبان و ادب کی تاریخ میں محمد حسین عنقا ایک جرات مند صحافی اور قومی نظموں کے خالق شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ اکتوبر 1977 میں فوت ہوئے۔

مست توکلی

بلوچی زبان میں جن چند شعراء کے ہاں عارفانہ خیالات پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک مست توکلی بھی ہے۔ مست توکلی کو بلوچی زبان کا حافظ بھی کہا جاتا ہے[8]۔ مست توکلی بلوچوں کا مشہور قبیلہ مری کے شیرانی طائفے سے تعلق رکھتا تھا وہ کوہلو کے مقام پر 1831 میں پیدا ہوا اور 1895 میں وہیں فوت ہوا[9]۔ مست توکلی ایک صوفی منش اور رومان پرور شاعر ہونے کے علاوہ۔ ایک نہایت سچا عاشق بھی تھا۔ جو اپنی محبوب " سمو" کے عشق میں خوبصورت اشعار تخلیق کرتا رہتا تھا۔

عشقیہ گیتوں کے علاوہ مست توکلی نے جن عنوانات پر شاعری کی ہے ان میں مناظر قدرت کی تعریف و منظر کشی ، وطن دوستی ، سماج کا مشائدہ ، رزمیہ شاعری، عارفانہ خیالات، نازک خیالی وغیرہ شامل ہیں۔ مست توکلی کی فن و شخصیت اور شاعری کے نمونوں پر مشتمل دو کتابیں میر مٹھا خان مری نے مرتب کیے ہیں جن میں پہلی کتاب "توکلی مست" کے نام سے 1969 میں بلوچی میں اور دوسری کتاب "سموبیلی مست" کے نام سے اردو میں 1991 میں بلوچی اکیڈمی کوئٹہ سے شائع ہوئی ہیں۔

ملا حضور بخش جتوئی

مولوی حضور بخش جتوئی بلوچی ادب کے درمیانی دور کا سب سے نمایاں صاحب قلم اور صاحب طرز ادیب اور پر جوش ، شعلہ بیان شاعر ہو گزرے ہیں۔ وہ1866 میں ضلع کچھی کے گاوں سنی میں پیدا ہوئے انہوں نے بلوچی میں چالیس سے زائد کتب نظم و نثر میں رقم کیے ہیں۔ ان کا سب سے اہم کارنامہ ۱۳۲۶ بمطابق 1928 میں قرآن پاک کا بلوچی زبان میں پہلی دفعہ ترجمہ کرنا ہے۔ مولوی حضور بخش جتوئی اپنے دور کے بڑے عالم دین اور شاعر تھے ان کی زندگی کے ابتدائی ایام دور جہالت میں گزرے بعد ازاں اس وقت کا سب سے معروف و مقبول علمی اور دینی ادارہ مدرسہ درخانی ڈھاڈر جو اب مکتبہ درخانی کہلاتا ہے۔ وہاں سے مولانا محمد فاضل درخانی کی سرپرستی میں نہ صرف دینی تعلیم حاصل کی بلکہ خود بھی دینی اور اصلاحی موضوعات پر کئی کتابیں تصنیف کیں۔ اس کے علاوہ آپ نے بیشتر دینی کتب کا بلوچی منظوم ترجمہ بھی کیا ہے ۔ مولانا عبدالباقی درخانی کے حوالے سے بلوچستان کے ممتاز دینی اور ادبی اسکالر ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی اپنے دوسری پی ایچ

ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان بلوچستان میں دینی ادب میں مولانا حضور بخش جتوئی کے تصنیف کردہ کتب کی درج ذیل فہرست دی ہے۔

1۔ قران مجید مترجم بلوچی ۱۳۲۹ ہجری
2۔ اصول الصلواۃ منظوم بلوچی
3۔ اخلاق الصالحین
4۔ تحفتہ المسلمین بلوچی
5۔ تحفتہ المسلمین بلوچی
6۔ نماز فرائض بلوچی
7۔ شروط الصلواۃ مترجم بلوچی
8۔ خلاصہ کیدانی
9۔ فقہ اکبر
10۔ وصیت نامہ امام اعظم مترجم بلوچی
11۔ وصیت نامہ امام برائے پسر خود بلوچی
12۔ وصیت نامہ امام برائے ابویوسف بلوچی
13۔ وصیت نام امام برائے ابویونس بلوچی
14۔ کلمات کفر بلوچی
15۔ قِصہ یہودی بلوچی
16۔ حکایات عجیبہ منظوم بلوچی
17۔ حکایات الصادقین بلوچی
18۔ شمائل شریف منظوم بلوچی
19۔ خطبہ بلوچی منظوم

20۔ ہدایت ابدی منظوم بلوچی

21۔ قِصہ علقمہ بلوچی

22۔ قِصہ تعلب بلوچی

23۔ وفات نامہ پیغمبر علیہ السلام بلوچی

24۔ مجموعہ ست رسائل بلوچی

25۔ سورہ یٰسین و سورہ ملک مترجم بلوچی

26۔ شش کلمہ مترجم بلوچی

27۔ منیتہ المعلی مترجم بلوچی

28۔ منیتہ المعلی صرف بلوچی ترجمہ

29۔ قدوری مترجم بلوچی

30۔ قدوری صرف بلوچی ترجمہ

31۔ نصیحت نامہ منظوم بلوچی

32۔ صد پند لقمان حکیم منظوم بلوچی

33۔ لباب الاخبار منظوم بلوچی۔

34۔ فِقہ اکبر مترجم بلوچی۔

35۔ منبہات

36۔ کنز الد قائق

37۔ خاکساری فریب

38۔ شش کتاب

39۔ روضہ الاحباب اور

40۔ اربعین نودی

درج بالا بلوچی کتب کی فہرست میں قریباً دس راقم کے پاس یا تو موجود ہیں یا اس کی نظر سے گزری ہیں۔ تاہم مختصراً یہ کیا جاسکتا ہے کہ بلوچی زبان و ادب کی ترویج میں مولانا حضور بخش جتوئی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں اور ان کی ذکر کے بغیر بلوچی ادب کی تاریخ نامکمل رہ جاتی ہے۔ نیز قریباً ایک صدی گزرنے کے باوجود اس دور جدید کے تمام تر وسائل رکھنے والے اہل علم و دانش کے مقابلے میں مولانا حضور بخش جتوئی سوائے ایک دو مصنفین بشمول منیر آحمد بادینی کے بلوچی زبان کے سب سے کثیر التصانیف مصنف کہلاتے ہیں۔ نیز بلوچی ادب کی تاریخ میں دینی کتب کی جو کمی محسوس کی جاتی تھی اُسے مولانا موصوف کی تصانیف و تراجم نے کافی حد تک پورا کر دیا ہے۔

مولانا حضور بخش جتوئی 2 جون 1946 کو وفات پاگئے اور ضلع کچھی کے گاوں تائب میں مدفون ہیں۔

مُلّا فاضل رند

بلوچی زبان کے شہر آفاق شاعر مُلّا فاضل رند مکران میں پاک ایران سرحد پر واقع قصبہ مند کے گاوں قاسمی چات میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام چاہ وش تھا۔ مُلّا فاضل نے تعلیم کہاں سے حاصل کی؟ اس کے بارے میں مکمل معلومات دستیاب نہیں تاہم وہ تعلیم یافتہ شخص تھے اور اس زمانے میں ہر تعلیم یافتہ شخص ملا کہلاتا تھا۔ ملا فاضل کی شاعری بلوچی ادب کا ایک گراں مایہ ذخیرہ ہے جس میں جدت خیال بھی ہے اور عالمانہ رنگ بھی۔ ان کی شاعری اور فن محاسن کے بارے میں بلوچستان کے نامور قلمکار عبدالرحمٰن غور رقمطراز ہیں

"ملا فاضل کی شعری خصوصیت کے پیش نظر سب سے پہلے جو بات واضح ہے وہ یہ کہ انہوں نے روایتی انداز بیان کو ترک کر کے اپنا نیا انداز بیان اور طرز فکر ایجاد کیا اور یہ اسی جدت کا نتیجہ ہے کے متاخرین نے اس بیان کو اپنایا۔"(10)

ملا فاضل کے بارے میں نامور محقق مولانا خیر محمد ندوی کا خیال ہے کہ "ملا فاضل کا بلوچ معاشرے پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے اپنے جذبات و احساسات کیلئے بلوچی زبان کو ذریعہ اظہار منتخب کیا"۔

ملا فاضل رند کی شاعری کا نمونہ درج ذیل ہے۔

عاقلاں سّاکنت کہ کشتگ جنپان سرے
پر نشان پیداک نہ بنت ماتکوہ ءُ برزیں تیہرے
قائمیں راجان نہ منتگ یک کماشے مَستریں
نہ نصیب داری پشت ءِ قومی ایں لشکرے

اے عقل والو دیکھو کہ آج مٹی کے ڈھیر
میں بھی قوت آگئی ہے۔
لیکن افسوس کہ تمہارے پہاڑ جیسے بہادر
اور جری نوجوانوں میں کسی کا بھی نام و نشان نہیں۔
آج کوئی رہنما بھی نہیں کہ جو اس قوم کی صحیح رہنمائی کرے(11)

مُلّا فاضل رند کے کلام کو بلوچی کے نامور محقق بشیر احمد بلوچ نے " شپ چراگ" کے نام سے یکجا کر کے مرتب کیا ہے۔ بلوچی زبان کا عظیم شاعر 1270 ہجری مطابق 1854 عیسوی میں فوت ہوئے۔

ملک محمد پناہ

ملک محمد پناہ ولد علی محمد بلوچی کے نامور محقق اور ادیب ہو گزرے ہیں وہ 1913ء میں ضلع کچھی میں پیدا ہوئے ابتداء میں مختلف سرکاری عہدہ پر کام کیا بالآخر ملازمت کو خیر باد کر کے انہوں نے صحافت اور علم و ادب سے وابستہ ہوئے۔ نہایت نرم مزاج اور مخلص شخص تھے۔ صحافت میں انہوں نے اسلم اچکزئی مرحوم کے ساتھ ان کے اخبارات "کمال ہند" اور "نوجوان" جیکب آباد میں بطور شریک مدیر کام کیا۔ بعد ازاں انہوں نے لالا غلام محمد شاہوانی کا جاری کردہ اخبار "نوائے وطن" سے آخر دم تک منسلک رہے۔

ملک محمد پناہ بلوچستان میں بولی جانے والی تمام زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ اور بلوچی زبان کے تمام لہجوں پر انہیں عبور حاصل تھا۔ وہ کئی برس بلوچی اکیڈمی کے نائب صدر (وائس چیئرمین) بھی رہے۔ انہوں نے متعدد کتب جن میں ہتورام کی "تاریخ بلوچستان" بھی شامل ہے کی نظر ثانی کی اس کے علاوہ لانگ ورتھ ڈیمز کی تالیف کردہ "بلوچی لوک کہانیوں" کو جدید بلوچی رسم الخط میں منتقل کیا ہے۔ انہوں نے "بلوچی لوک کہانیوں پر مشتمل ایک کتاب بھی تالیف کی ہے۔

ملنگ شاہ ہاشمی

کراچی کے سید ملنگ شاہ کو جدید بلوچی غزل کا بانی کہا جاتا ہے۔ جس نے 1922 سے بلوچی زبان میں غزل گوئی کا آغاز کیا ہے[12]۔ جن کے ہاں پہلی دفعہ غزل باقاعدہ فارم میں پایا جاتا ہے۔ ملنگ شاہ کی تمام شاعری تو دستیاب نہیں البتہ ان کے مریدوں سے جس قدر ابیات جمع ہو سکے ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے پھر

بھی جو کچھ دستیاب ہوا وہ بلوچی کے پہلے بہترین غزلیات کہے جاسکتے ہیں۔ مثلاً وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

اپسوز ہزار ارمان، ۔۔۔۔۔۔۔ گنداں نہ گنداں دوست ءَ
نیست عشق درد ءِ درمان۔۔۔ گنداں نہ گنداں دوست ءَ[13]

(صد ہزار افسوس اور ارمان کہ دوست کو دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ عشق کے درد کا کوئی علاج نہیں کہ دوست کو دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا)

ملنگ شاہ کے آباو واجداد باہو دشتیار (ایرانی بلوچستان) سے کراچی آئے تھے۔ ملنگ شاہ ۱۳۴۴ ہجری میں فوت ہوئے اور گماں ہے کہ انہوں نے صرف 44 سال عمر کی[14] سید ملنگ شاہ بلوچی زبان کے پہلے غزل گو شاعر ہونے کے علاوہ بلوچی کے صوفی شعراء میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ ان کی شاعری میں صوفیانہ رنگ بھی پایا جاتا ہے۔

میر شیر محمد مری

بلوچستان کے نامور سیاسی رہنما اور بلوچی زبان کے اولین افسانہ نگار، محقق اور نقاد میر شیر محمد مری کوہلو میں پیدا ہوئے۔ بلوچی زبان کے ابتدائی افسانہ نگاروں اور محققین میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے "بلوچی کہنیں" شاعری کے نام سے قدیم بلوچی شاعری کو یکجا کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے بلوچی زبان و ادب کی مختصر تاریخ بھی مرتب کی ہے جو ان کے ایک طویل مقالے سے ماخوذ ہے یہ مقالہ انہوں نے لاہور میں پہلی علاقائی زبانوں کی کانفرنس میں پڑھا تھا۔

میر شیر محمد مری بلوچی زبان و ادب کی تاریخ میں ایک محقق اور تخلیق کار کے علاوہ بلوچستان کی سیاسی تاریخ میں ایک قبائلی اور سیاسی رہنما کی حیثیت سے

جانے جاتے ہیں۔ انہوں نے طویل عرصہ جلا وطنی کی زندگی بھی گزاری، زندگی کے آخری ایام میں بلوچستان آئے جب بیمار ہوئے تو انہیں علاج کے لیے نئی دہلی لیجایا گیا وہ ۱۱ مئی ۱۹۹۳ ہیں فوت ہوئے اور انہیں کوہلو میں دفنایا گیا۔

میر عاقل خان مینگل:۔

پروفیسر میر عاقل خان مینگل ولد میر لونگ خان مینگل، ۷ فروری ۱۹۳۹ کو نوشکی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۸ میں ہائی سکول نوشکی سے میٹرک، ۱۹۶۰ میں اسلامیہ کالج لاہور سے ایف۔اے، ۱۹۶۳ میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے اور ۱۹۸۳ میں بلوچستان یونیورسٹی سے ایم۔اے اردو اور ۱۹۸۸ میں ایم۔اے بلوچی کا امتحان پاس کیا۔

اس کے علاوہ مانٹریال کینیڈا سے بلوچی، فارسی اور تاریخ سے متعلق کئی کورسز کیے۔ ۱۹۶۱۔۶۲ میں پنجاب یونیورسٹی کے language unit میں ریسرچ اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۶۲۔۶۴ تک محکمہ تعلیم بلوچستان میں انگریزی کے استاد کی حیثیت سے بھی خدمات سر انجام دیں۔ بعد ازاں بلوچی زبان پر مزید تحقیق کے سلسلے میں کینیڈا گئے اور مک گل McGilll یونیورسٹی مانٹریال میں ۱۹۶۴ سے ۱۹۶۹ تک چیف ریسرچ اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کیا۔

۱۹۷۴ سے مرکز مطالعہ پاکستان جامعہ بلوچستان میں بلوچی زبان کے استاد کی حیثیت سے خدمات سر انجام دیتے رہے۔ بلوچی اور براہوئی لسانیات پر گہری نظر رکھتے تھے، نامور نقاد تھے۔ ڈاکٹر عبدالرحمان بار کر کے ساتھ مل کر دو جلدوں میں ایک کتاب ۔" A Course in Baluchi مانٹریال سے مرتب اور شائع کر چکے ہیں۔ جو بلوچی زبان و لسانیات پر بین القوامی اہمیت کی حامل کتاب ہے میر عاقل خان

مینگل کئی کتب کے مصنف ہیں وہ کردی بلوچی کی مماثلت پر بھی ایک کتاب کے مولف ہیں ان کے مضامین ملکی اور بین الاقوامی رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

میر گل خان نصیر

میر گل خان نصیر بلوچی زبان کے ملک الشعراء کہلاتے ہیں۔ وہ 14 مئی 1914 کو نوشکی کے گاوں کلی مینگل میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم نوشکی سے حاصل کی بعد ارزاں خالصہ سکول کوئٹہ سے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا۔ اور بی اے اسلامیہ کالج پشاور سے پاس کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ریاست قلات کی انتظامیہ میں خدمت سرانجام دیں مگر بہت جلد ملازمت چھوڑ کر عملی سیاست کے میدان میں اتر آئے۔ وہ بلوچستان کے اکثر ممتاز سیاستدانوں کے سیاسی اتالیق خیال کیے جاتے ہیں۔ بچپن سے انہیں شاعری کا شوق تھا ابتداء میں اردو اور براہوئی میں شاعری کرتے تھے بعد ازاں بلوچی میں شعر گوئی کا آغاز کیا اور ملک الشعرا کہلائے۔

میر گل خان نصیر بلوچی کے صف اول کے شاعر خیال کیے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری کا بیشتر حصہ ملی نظموں پر مشتمل ہے جن میں سے اکثر مثنوی کے قدیم طرز پر ہیں۔ میر گل خان نصیر بلوچی کے ابتدائی جدید غزل گو شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی شاعری میں اپنی سرزمین سے محبت اور اپنے لوگوں کی بدحالی کی منظر کشی نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ میر گل خان نصیر نہ صرف بلوچی کے نمایاں شاعر ہیں بلکہ ایک محقق اور مورخ کی حیثیت سے بھی بلوچستان اور بلوچی زبان کی ادبی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ انہوں نے بلوچستان اور بلوچوں کی تاریخ سے متعلق کئی کتب تصنیف کیے ہیں جن میں کوچ و بلوچ، تاریخ بلوچستان (جلد اول و دوئم) بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی، بلوچستان قدیم و جدید تاریخ کی روشنی

میں وغیرہ۔ ان کے تحقیقی کتب میں بلوچی رزمیہ شاعری، بلوچی عشقیہ شاعری، وغیرہ کے علاوہ ان کے اپنے شعری مجموعوں میں گلبانگ، شپ گروک، گرئند، دوستین وشیرین، مشہد ناجنگ نامہ (براہوئی) پُرنگ، حُونءِ گوانک، نہایت مقبول ہیں اس کے علاوہ انہوں نے بلوچستان اور بلوچوں سے متعلق شاہ لطیف کے اشعار کا بلوچی ترجمہ "شاہ لطیف گوئشیت" کے نام سے شائع کرایا۔ ان تخلیقی اور تالیفی کتب کے علاوہ انہوں نے چند ایک انگریزی اور فارسی تاریخی کتب کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔

میر گل خان نصیر ایک مورخ، محقق اور شاعر کے علاوہ جہاں ایک اصول پرست سیاسی رہنمار ہے ہیں وہاں انہوں نے بلوچستان میں بیباک صحافت کی ترویج کے لئے بلوچستان کے نامور صحافی غلام محمد شاہوانی اور میر عبداللہ جان جمالدینی کے ساتھ مل کر نوائے وطن اور دیگر کئی پرچوں کی اجراء کر کے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

میر گل خان نصیر 69 برس کی عمر میں 1983 میں فوت ہوئے۔ بلوچستان کی سیاسی تاریخ ہو یا بلوچوں کی تاریخ بلوچی، صحافت ہو یا بلوچی ادب کی تاریخ، یہ تمام میر گل خان نصیر کی ذکر کے بغیر نامکمل خیال کیے جاتے ہیں۔

میر مٹھا خان مری

میر مٹھا خان مری کوہان علاقہ مری میں 1912 میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے ہی علاقے میں پرائمری استاد مقرر ہوئے۔ بعد ازاں منسٹریل کیڈر میں آئے اور 1966 میں بطور سپرنٹنڈنٹ ریٹائر ہوئے۔

میر مٹھا خان مری شروع سے علم و ادب سے دلچسپی رکھتے تھے ۔ بلوچی زبان و ادب کی تاریخ میں میر مٹھا خان مری ایک محقق کی حیثیت سے بلند مقام رکھتے ہیں ان کے کئی پر منفرد مضامین مختلف اخبارات ورسائل میں چھپتے رہے ہیں۔ میر مٹھا خان مری کا بنیادی کام اردو بلوچی لغت اور بلوچی اردو لغت کی ترتیب و تدوین ہے جن میں بالترتیب عطاشاد اور صورت خان مری ان کے معاون رہے ہیں۔ مذکورہ کتب سے اردو بلوچی لغت کو مرکزی اردو بورڈ لاہور اور بلوچی اردو ڈکشنری کو بلوچی اکیڈمی نے شائع کیا ہے۔ ان کے علاوہ اقبالیات پر ان کی تصنیف در گال اقبال اور بلوچی کے نامور کلاسیکل شاعر مست توکلی کی فن و شخصیت پر ان کی دو کتابیں "مست توکلی" بلوچی اور "سمو بیلی مست" اردو میں بلوچی اکیڈمی نے شائع کیے ہیں۔ میر مٹھا خان مری کوئٹہ میں فوت ہوئے ان کا مزار کوئٹہ میں بروری روڈ پر واقع ریلوے قبرستان میں ہے۔

ان نمایاں ادبی شخصیات کے علاوہ جو نمایاں بلوچی ادیب، دانشور، محقق اور شاعر اس وقت ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں ان نمایاں ناموں میں آدم حقانی، آحمد زھیر، محمد بیگ بیگل ، مومن بزدار، اسحاق بزدار، ظفر علی ظفر،.جی آر ملا،عبدالصمد امیری، عبدالمجید گوادری، حکیم بلوچ،اور عزیز محمد بگٹی شامل ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ جمالدینی عبداللہ جان پیش لفظ شعری مجموعہ رُژن صفحہ 6
2۔ عبدالرحمٰن غور ' نغمہ کوہسار' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1968 صفحہ 54
3۔ جمالدینی عبداللہ جان" بلوچی ادب "علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد پونٹ نمبر 1۔8 صفحہ 76
4۔ صابر غوث بخش ایضاً صفحہ 77
5۔ جبکہ عبدالرحمٰن غور اس کی سال وفات 1966 کو قرار دیتے ہیں۔(نغمہ کوئسار صفحہ 227)
6۔ عبدالرحمٰن غور " نغمہ کوہسار" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1968 صفحہ 221
7۔ عبدالرحمٰن غور " نغمہ کوہسار" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1968 صفحہ 138
8۔ عبدالرحمٰن غور نغمہ کوہسار بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1968 صفحہ 14
9۔ میر مٹھاخان مری ' مست توکلی' بلوچی اکیڈمی 1969 صفحہ 74
10۔ عبدالرحمٰن غور 'نغمہ کوہسار' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 1968 صفحہ 78
11۔ امیر بخش، ایم فل مقالہ "مراد ساحر فن و شخصیت" ۲۰۲۰ شعبہ بلوچی تربت یونیورسٹی صفحہ ۹
12۔ سید ھاشمی، بلوچی زبان وادب کی تاریخ، سید اکیڈمی کراچی 1986 صفحہ 126
13۔ ایضاً صفحہ 126
14۔ صباء دشتیاری، بلوچیءِ اولیں دستونک گُش شاعر، مجلہ سنج کراچی صفحہ 208

کتابیات (Bibliography)

ا۔ اردو/فارسی کتب

ب۔ بلوچی کتب

ج۔ انگریزی کتب

د۔ اخبارات ورسائل

ا۔ اردو/ فارسی کتب

ا۔احمد زئی آغا نصیر خان'' بلوچی براہوئی لوز رایند'' سریاب روڈ کوئٹہ، ۱۹۶۷۔

۲۔احمد زئی آغا نصیر خان'' بلوچی لوذراہبند'' (بلوچی گرائمر) بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ ۱۹۸۱۔

۳۔احمد زئی آغا نصیر خان'' تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد اول بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ ۱۹۸۸۔

۴۔احمد زئی آغا نصیر خان'' تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد دوئم بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ ۱۹۹۲۔

۵۔احمد زئی آغا نصیر خان'' تاریخ بلوچ و بلوچستان'' جلد سوئم بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ ۱۹۹۳۔

۶۔احمد کماالدین'' صحافت وادی بولان میں'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۷۸۔

۷۔ آخوند محمد صالح'' کورد گال نامک'' ۱۰۷۰ھ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۹۱۔

۸۔اخوند محمد صدیق ترجمہ گل خان نصیر'' تاریخ خوانین قلات '' نساء ٹریڈرز، کوئٹہ ۱۹۸۴۔

۹۔اصلاحی شرف الدین'' اردو سندھی کے لسانی روابط'' مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۸۷۔

۱۰۔ایرج افشار (سیستانی) " بلوچستان و تمدن دیرینہ آن " سازمان چاپ ،ونتشارات وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی تہران ۱۳۷۱۔

۱۱۔بخاری محمود شاہ " بلوچستان زمانہ قدیم سے قیام پاکستان تک " بخاری ،ٹریڈرز جناح روڈ کوئٹہ ۱۹۸۷

۱۲۔براہوئی عبدالرحمان " براہوئی اردو کا تقابلی مطالعہ " غیر مطبوعہ Ph.D، مقالہ سندھ یونیورسٹی جام شورو۔

۱۳۔براہوئی عبدالرحمان ڈاکٹر " بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور ان کی حکومتیں " زمرد پبلیکیشنز مستونگ ۱۹۹۰۔

۱۵۔بگٹی عزیز محمد " بلوچی اردو بول چال " قلات پبلیشرز کوئٹہ ۱۹۷۸۔

۱۶۔بلوچ بشیر احمد " بلوچی لوک کہانیاں " پاکستان آرٹس کونسل بلوچستان کوئٹہ۔ ۱۹۷۸

۱۷۔بلوچ محمد سردار خان ر ترجمہ ایم انور دومان "بلوچ قوم کی تاریخ" نساء ٹریڈرز کوئٹہ ۱۹۸۹۔

۱۸۔بلوچ ملک محمد رمضان " بلوچ سماج کے خد و خال " مکتبہ ساربان، مستونگ ۱۹۷۶۔

۱۹۔بلوچ ملک محمد سعید " بلوچستان ماقبل تاریخ" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۷۱۔

۲۰۔پیکولین م۔ک " بلوچ" ترجمہ شاہ محمد مری مکتبہ فکر و دانش لاہور ۱۹۸۸

۲۱۔پہوال عبدالرحمان "الفبائی زبان بلوچی" مرکز علوم زبان و ادبیات افغانستان شعبہ بلوچی ۱۳۹۸ھ۔

۲۲۔رئیسانی نور احمد " زبان وادبیات بلوچی ہم بستگی آن باز بان و ادبیات فارسی"
غیر مطبوعہ Ph.D مقالہ دانشکدہ ادبیات وعلوم انسانی دانشگاہ، تھران ۔
(؟)

۲۳۔زور محی الدین سید قادری ڈاکٹر " ہندوستانی لسانیات" مکتبہ معین الادب اردو
بازار لاہور بار سوئم ۱۹۶۱

۲۴۔جمالدینی عبداللہ جان " بلوچی زبان " پاکستانی ادب کورس کوڈ ۴۲۶، یونٹ
۸۔ اعلامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد (؟)

۲۵۔ حسن عثمان (ریٹائرڈ بر گیڈئر)" بلوچستان رپورٹ تاثر" سیلز اینڈ سروسز کوئٹہ
۱۹۸۴۔

۲۶۔خان احمد یار خان " مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ" ایوان قلات کوئٹہ
۱۹۷۲۔

۲۷۔خان طاہر محمد " سیاسیات بلوچستان" ایم ایم ٹریڈرز کوئٹہ ۱۹۸۸۔

۲۸۔ سبزواری شوکت ڈاکٹر " اردو لسانیات" مکتبہ تخلیق ادب کراچی ۱۹۶۶

۲۹۔شاد عطا" بلوچی نامہ " مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۸۔

۳۰۔شاد عطا" گشین شاعری" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۷۲۔

۳۱۔شاد عطا/ عین سلام " درین" (بلوچی عوامی گیت معہ منظوم ترجمہ) بلوچی
اکیڈمی کوئٹہ (؟)

a۳۱ شرف شاد "لبزانک در کسہی لبزانک و شعر" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۲۰۲۰

b۳۱ صابر، عبدالرزاق ڈاکٹر "براہوئی بلوچی کے لسانی روابط" براہوئی ادبی سوسائٹی
کوئٹہ ۲۰۲۱

۳۲۔صدیقی خلیل " زبان کا مطالعہ" قلات پبلشرز مستونگ ۱۹۶۴۔

۳۳۔ صدیقی خلیل ” زبان کا ارتقاء “ قلات پبلشرز مستونگ ۱۹۷۷۔
۳۴۔ صدیقی خلیل ” زبان کیا ہے “ بیکن بکس گلگشت ملتان ۱۹۸۹۔
۳۵۔ عبد الحق مولوی ” قواعد اردو “ لاہور اکیڈمی لاہور (؟)
۳۶۔ غور عبد الرحمان ” نغمہ کوئسار “ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۶۸۔
۳۷۔ کامل القادری ” قدیم بلوچستان “ بولان بک کارپوریشن کوئٹہ ۱۹۷۱۔
۳۸۔ کامل القادری ” گائے جا بلوچستان “ بولان بک کارپوریشن کوئٹہ ۱۹۷۱۔
۳۹۔ کامل القادری ” بلوچی ادب کا مطالعہ “ بولان بک کارپوریشن کوئٹہ ۱۹۷۶۔
۴۰۔ کامل القادری ” مہمات بلوچستان “ حصہ دوئم نساء ٹریڈرز کوئٹہ ۱۹۸۰۔
۴۱۔ مبارکپوری اطہر قاضی ” ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں “ فکر و نظر پبلیکیشنز سکھر ۱۹۸۷۔
۴۲۔ مبارکپوری اطہر قاضی ” خلافت امویہ اور ہندوستان “ فکر و نظر پبلیکیشنز سکھر ۱۹۸۷۔
۴۳۔ مبارکپوری اطہر قاضی ” خلافت عباسیہ اور ہندوستان “ فکر و نظر پبلیکیشنز سکھر ۱۹۸۷۔
۴۴۔ محمد سیلم سید پروفیسر ” اردو رسم الخط “ مقتدرہ قومی زبان کراچی ۱۹۸۱۔
۱۴۔ مری مٹھا خان / ملک محمد رمضان ” بلوچی ادب و ثقافت “ ثقافت و ادب وادی بولان میں “ بزم ثقافت کوئٹہ ۱۹۶۶۔
۴۵۔ مری میر شیر محمد بلوچ ” بلوچی زبان اور ادب کی تاریخ “ ۱۹۷۳ ترجمہ آغا نصیر خان / پیر محمد زبیرانی بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۹۲۔
۴۶۔ موکلرای میجر / ترجمہ محمد بیگ بلوچ ” بلوچی گرائمر “ ۱۹۷۷ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ بار دوئم ۱۹۸۸۔

۴۷۔مولائی شیدائی میر رحیم داد " تاریخ قلات " حصہ اول بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۸۳۔
۴۸۔ندوی خیر محمد "کچکول" مکتبہ سوغات محراب خان روڈ لیاری کراچی ۱۹۷۸۔
۴۹۔نصیر میر گل خان " بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۷۶۔
۵۰۔نصیر میر گل خان "بلوچی عشقیہ شاعری" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۷۹۔
۵۱۔نصیر میر گل خان " بلوچی رزمیہ شاعری" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۷۹۔
۵۲۔نصیر میر گل خان " تاریخ بلوچستان حصہ اول و دوئم قلات پبلشرز کوئٹہ ر مستونگ بار دوئم ۱۹۷۹۔
۵۳۔نصیر میر گل خان " بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں" نساء ٹریڈرز کوئٹہ ۱۹۸۲۔
۵۴۔نصیر میر گل خان "کوچ و بلوچ" قلات پبلشرز کوئٹہ بار دوئم ۱۹۸۳۔

بلوچی کتب

۵۵۔احمد زئی نصیر خان" بلوچی براہوئی لوز راہبند" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۶۷۔

۵۶۔احسن عبدالغفور" دیوان احسن" (بلوچی براہوئی) سیلر اشہداد کوٹ سندھ ۱۹۷۷۔

۵۷۔اولس بانگ بارڈر پبلسٹی آرگنائزیشن کوئٹہ ۱۹۷۶۔

۵۷a بصیر آحمد، ایم فل مقالہ "بلوچی لچہ بندات ودیمرہی" شعبہ بلوچی تربت یونیورسٹی ۲۰۱۶ صفحہ

۵۸۔" بلوچی زھگ بلد" بلوچی اکیڈمی کراچی ۱۹۶۳۔

۵۹۔بولان نامہ" ورناوائندہ گل" شالکوٹ (کوئٹہ) ۱۹۶۷۔

۶۰۔جمالدینی آزاد" زژن" مرتب وہاب عبداللہ بلوچ کراچی ۱۹۸۵۔

۶۰a۔جمالدینی عرفان "کتاب شون" بلوچی اکیڈمی ۲۰۲۱

۶۱۔جمالدینی عبداللہ جان" کلام شیر جان پکیر" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۹۳۔

۶۲۔دشتیاری صبا" گلکار وچنکار" بہار گاہ پبلیکیشنز لی مارکیٹ کراچی ۱۹۹۰

۶۳۔دشتیاری صبا" گنگدامیں سرزمین" غیر مطبوعہ

۶۴۔سید ہاشمی اکیڈمی کراچی" برمش" یاتگاری تاک ۱۹۸۴۔

۶۵۔شاہوانی عبدالقادر" اولس بانگ" بارڈر پبلسٹی آرگنائزیشن کوئٹہ ۱۹۷

۶۶۔شاہوانی عبدالقادر" گچین کسمانک" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۹۳۔

۶۶a۔شرف شاد "لبزانک، درکسی لبزانک وشعر" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۲۰۲۰

۶۷۔صابر غوث بخش" بتل وگالوار" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۶۹۔

۶۸۔صابر غوث بخش " ملگزار " بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۷۳۔
۶۹۔صابر غوث بخش ر پیر محمد زبیرانی " بنال " بنیادی بلوچی الفاظ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ باردوئم (؟)
۷۰۔غور عبدالرحمان " وشین گفتار " ادارہ ادب بلوچستان ہدہ کوئٹہ ۱۹۶۹۔
۷۱۔کاروان " منتخب مجموعہ " لبزانکی کاروان تربت ۱۹۸۷۔
۷۲۔ گچکی میر کمالان ر مرتب مینگل میر عاقل خان " بلوچی دزنمشتی کتاب " بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۸۲۔
۷۳۔ گچین اولس بلوچی " نشرواشاعت قبائل کوئٹہ ۱۹۷۰۔
۷۴۔ گچین اولس دومی بلوچی پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کوئٹہ ۱۹۷۸۔
۷۴a۔ مجاھد بلوچ "کتاب گنج "شعبہ بلوچی جامعہ بلوچستان ۲۰۲۱
۷۵۔مری میر شیر محمد " بلوچی کہنین شاعری " بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۷۰۔
۷۶۔مری شیر محمد بلوچ " بلوچی زبان وادبءِ تاریخ " بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۷۳
۷۷۔مری صورت خان " گشین " (ردانک) بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۶۹۔
۷۸۔مری مٹھاخان ر عطاشاد " اردو بلوچی لغت " مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۲۔
۷۹۔میر واڑی میر دینار " زری نود " مرتب یوسف گچکی بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۹۰
۸۰۔مینگل میر عاقل خان " لوزانکی ایرادگیری " ادبی تنقید بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۹۰۔
۸۱۔نصیر میر گل خان " شپ گروک " بلوچی اکیڈمی کراچی ۱۹۶۴۔
۸۲۔نصیر میر گل خان " داستان دوستین وشیرین " بلوچی پبلیکیشنز کوئٹہ ۱۹۶۴۔
۸۳۔نوکین تام " بلوچی شاعری " بلوچی لبزانکی دیوان تربت ۱۹۸۱
۸۴۔ہاشمی سید " بلوچی سیاھگءِ راست نبیسگ " دبئی ۱۹۶۴۔

ENGLISH BOOKS

85. Addelton, J.S. Importance of Regional language in Pakistan Al Mushir The Councilor Vol. XVIII No.2 1986

86. Ahmedzai, Agha Nazeer Khan The Grammar of Balochi Language Quetta, Balochi Academy, 1984.

87. Baluch, Muhammad Sardar Khan A Literary History of the Baluch Vol 1 Balochi Academy, Quetta,1977.

88. Baluch, Muhammad Sardar Khan A Literary History of the Balochis Vol II Balochi Academy, Quetta, 1984.

89. Barker, M.A.Mengal A Course in Baluchi Vol I Montreal Canada.Institute of Islamic Students McGill University 1969.

90. Baker, A.R & M.A Mengal A, Course in Baluchi Vol II Institute of Islamic Studies McGill University Montreal Canada 1969.

91. Census Reports Government of Pakistan Statistical Division Islamabad years 1963, 1981.

92. Dames, M. Longworth, The Balochi Language 1880 reprint Quetta Balochi Academy 1991.

93. Dames, M.Longworth. The Baloch Race a historical and ethnological sketch London, Royal Asiatic Society 1904.

94. Demes, M.Longworth. Popular poetry of the Balochies 1907, reprint Quetta, Balochi Academy, 1988.

95. Elfenbein, J.H The Balochi Language a dialectology with texts 1966 Karachi, Indus publications 1980.

96. Elfenbein, J.H Notes on the Balochi-Brahui Linguistic Commonsality Oxford, philological Society Council 1981-82, pp 77-97.

97. Emeneau, M.B Language and Linguistic Area Edited by Anwer S.Dil, essays Murrey B.Emeneau Sanford California Stanford University press, 1980.

98. Grrierson, G.A Linguistic Survey of India Vols V-VI, reprint Dehli, Low price publishers, 1990.

99. Jahani, Carina Standar dization and Orthography in the Balochi Language Acta Universitatis Uppsala Upsaliensis Studies Iranica, 1989.

100. Janmahmad The Baloch Cultural Heritage Karachi Royal Books Co 1982.

101. Mengal,M.Aqil Khan The Balochi Among the Median Band Pakistan Studies Vol-I 1990,Quetta.Pakistan Study Centre University of Balochistan, pp 17-27.

102. Morgensttrene George Report on a Linguistic Mission to North-west India Norway 1932,reprint Indus Publications Karachi (?)

103. Tosi, Murizio Balochistan in Prehistory Reversing the Centre Prephery Paradigm for the future Generation studies Nepals Newsletter Balochistan Studies No.1 Winter, 1982-83 pp 32-45 .

104. Zakir Qadir, "Balochi Journalism "Balochi Academy Quetta 2020

اخبارات ورسائل

پرانی فائلیں ماہنامہ آساپ کیچ (تربت)
پرانی فائلیں ماہنامہ اولس بلوچی کوئٹہ
پرانی فائلیں ماہنامہ اومان کراچی
پرانی فائلیں ماہنامہ بلوچی کراچی ر کوئٹہ
پرانی فائلیں ماہنامہ تپتان، بہار گاہ کراچی
پرانی فائلیں تعمیر بلوچستان کوئٹہ
پرانی فائلیں ماہنامہ زمانہ بلوچی کراچی ر کوئٹہ
پرانی فائلیں ماہنامہ سوغات کراچی
پرانی فائلیں ماہنامہ لبزانک حب
پرانی فائلیں ماہنامہ مَعلم سریاب کوئٹہ
پرانی فائلیں ہفت روزہ نوکین دور کوئٹہ

مصنف کی دیگر تصانیف

۱۔ چراغ صابر (شاعری)

۲۔ ادب نابشخاک (تحقیق)

۳۔ کلام تاجل (نظم تحقیق)

۴۔ شاہی خروار (تحقیق)

۵۔ بوطیقا (ترجمہ)

۶۔ اصول تنقید (تنقید)

۷۔ شیپول (شاعری)

۸۔ سیرت النبی ﷺ (سیرت نگاری ایوارڈ یافتہ)

۹۔ تالان آمر واریک (تحقیق)

۱۰۔ براہوئی اور بلوچی کے چند مشترک ثقافتی الفاظ (تحقیق)

۱۱۔ براہوئی لکھوڑ (تحقیق)

۱۲۔ دراوڑستان (سفرنامہ)

۱۳۔ چاربا غ ملاعبدالحکیم (شاعری تحقیقی)

۱۴۔ بلوچی ادب (پنجابی)

۱۵۔ نماذج فکریہ اسلامیہ (عربی)

۱۶۔ براہوئی اور بلوچی کے لسانی روابط (لسانیات)

۱۷۔ فکر اقبال کے چند گوشے (اقبالیات)

۱۸۔ براہوئیات کے چند خوشے (تحقیق)

۱۹۔ گوگڑو (نظمیں بچوں کے لیے)

۲۰۔ براہوئی اور بلوچی کے ادبی روابط (تحقیق)

۲۱۔ صوفیوں کے سنگ (تصوف تحقیق)

22.Balochi Reader (English published from USA).

23.A Bit about Brahui: Language, Literature & Culture

24. A Bit on Balochi and Brahui linguistic and Cultural Commonlitie

25- Spotlight Balochistan: A few Litrary and Cultural Sketches

26- Cultural Diversity in Balochistan.